احترام قبلہ

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ بِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُكُمْ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا وَاَمَرَ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ وَنَهٰی عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰی اَنْ یَّسْتَطِیْبَ الرَّجُلُ بِیَمِیْنِهٖ . [رواه ابن ماجه والدارمی]

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں۔ میں تمہیں سکھاتا ہوں (کہ) جب تم پاخانہ کے لیے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف رخ کرو نہ پیٹھ، اور تین پتھروں سے (ڈھیلا) کرنے کا حکم دیا اور لید اور ہڈی اور دائیں ہاتھ کے استنجاء سے منع فرمایا ہے۔‘‘

دین کے بنیادی اصول ۴۷

اصول نمبر 47:...... وَالنِّفَاقُ هُوَالْكُفْرُ أَنْ يَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَيَعْبُدَ غَيْرَهٗ، وَيُظْهِرَ الْإِسْلَامَ فِي الْعَلَانِيَةِ، مِثْلُ الْمُنَافِقِيْنَ الَّذِيْنَ كَانُوْا عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ e۔ وَقَوْلُهٗe۔ ((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ فَهُوَ مُنَافِقٌ)) هَذَا عَلَى التَّغْلِيْظِ نَرْوِيْهَا كَمَا جَاءَتْ، وَلَا نُفَسِّرُهَا۔

''نفاق کفر ہی ہے، یعنی انسان اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہوئے اس کے علاوہ دوسرے کی عبادت کرتا ہے، اور زبان سے اعلانیہ اسلام کا اظہار کرتا ہے۔ یہ ان منافقین جیسا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جس شخص میں تین عادات ہوں وہ منافق ہے۔'' [صحیح بخاری نمبر : ۳۴،۳۳ ۔صحیح مسلم : ۵۸،۵۹] یہ سختی کرنے کی بنا پر ہے، یہ جیسے منقول ہے ہم اسی طرح اسے بیان کرتے ہیں اور اس کی تفسیر نہیں کرتے۔''

شرح: دراصل منافق وہ ہے جو اسلام کا اظہار کرتا اور اپنے کفر کو پوشیدہ رکھتا ہو، انہی کے متعلق قرآن مجید میں منقول ہے:

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾

''وہ لوگ جب ایمان والوں کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیطانوں کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مذاق کررہے تھے۔'' [سورة البقرہ: ١٤]

﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ [سورة الفتح: ١١]

''یہ اپنی زبانوں سے کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی۔'' یہی منافق ہیں، اگرچہ یہ لوگ خود کو یا اپنے عقائد چھپانے کے لیے ایسا کریں، دراصل وہ چاہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ اور کافروں کے ساتھ بھی محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ﴾

''وہ لوگ تمہارا انتظار کرتے ہیں، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامیابی حاصل ہو تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟'' یعنی ہم تمہارے ساتھ تھے اور غنیمت سے ہمیں بھی حصہ دو۔

﴿وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ﴾ ''اور اگر کافروں کو کوئی فائدہ حاصل ہو'' یعنی عارضی غلبہ ﴿قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [النساء: ١٤١] ''وہ کہتے ہیں کیا ہم تمہارے محافظ نہ تھے اور ایمان والوں کو تم پر یلغار سے روکے رکھا۔''

یہ لوگ ظاہری طور پر مومنوں کے جب کہ باطن میں منافقوں کے ساتھ ہوتے ہیں، دراصل نفاق یہی ہے، اسے اعتقادی منافق کہا جاتا ہے۔

عملی منافق کا ذکر درج بالا حدیث میں ہوا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں، اور جس میں یہ چار عادات موجود ہیں وہ پکا منافق ہے۔ ان عادات کو عملی نفاق کہا جاتا ہے، لیکن یہ بھی اعتقادی منافق کی علامات میں بھی شمار ہوتی ہیں۔

فہرست

توانائی بچایئے

اداریہ

حافظ احمد شاکر

اسلام سلامتی، امن، توازن اور میانہ روی کا دین ہے۔ اسلام نے غم کی حدود بھی مقرر کردی ہیں اور خوشی کا دائرہ بھی لگا دیا ہے۔ اسلام نے ہر عمل کی طرح خوشی اور غم میں بھی نیت ہی کو اصل قرار دیا ہے۔ غم کو تین دنوں تک ماسوا بیوگی سے دوچار خاتون کے ''کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے'' محدود کردیا ہے۔ اگر دیکھا جائے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نبی ﷺ کی وفات سے بڑا صدمہ کیا ہوسکتا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شدت غم کا اظہار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ اعلان تھا جس میں انہوں نے آپ کو وفات شدہ کہنے والے کی گردن اتارنے کا اعلان کردیا تھا۔ لیکن جونہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سورۂ نساء کی آیات تلاوت کیں تو سناٹا طاری ہوگیا اور سب خاموش ہوگئے۔ آپ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ میں سے کسی نے آپ کی وفات کا نہ سوگ تین دن سے زیادہ منایا اور نہ ہی سال بہ سال سوگ منانے کی روایت قائم کی کہ شریعت نے ایک حد مقرر کردی تھی۔

خوشی میں اسراف وتبذیر سے بھی منع کیا ہے اور نیت کا اجر بھی واضح کردیا ہے۔ مثلاً زندگی میں ایک اہم خوشی شادی کی ہوتی ہے اس کے لیے ارشاد ہے کہ جو کوئی مسلمان شادی گناہ سے بچنے کی نیت سے کرتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو شادی کا بھی اجر دے گا۔ ایسے ہی دیگر مسرت وغم کے مواقع کے احکامات اور تفصیلات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ بحیثیت دین کے مسلمانوں کے لیے دو عیدیں شریعت نے مقرر فرمائی ہیں لیکن ان دونوں عیدوں کا تعلق من جانب اللہ مغفرت اور جزا سے ہے۔ عیدالفطر ایک ماہ کی ایسی عبادت کے بعد منائی جاتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ الصوم لی وانا اجزی بہ ''روزہ میرے لیے ہی ہوتا ہے لہٰذا اس کی جزا میں خود ہی عطا کروں گا۔'' احادیث کے مطابق عیدالفطر کے دن اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو مغفرت کی نوید بھی میدانِ عید میں ہی دے دیتا ہے جو روزہ رکھنے کی توفیق سے بہرہ یاب ہوئے، ایسے ہی عیدالاضحیٰ میں قربانی کا اجر وثواب حاصل کرنا ہی خوشی ومسرت کا اظہار ہوتا ہے اور پھر جو لوگ قربانی کی توفیق نہیں رکھتے ان کے لیے رحمۃ للعالمین ﷺ نے یکم ذی الحجہ سے عید تک بال نہ کاٹنے اور ناخن نہ اتروانے پر اجر وثواب کی نوید دی ہے گویا کہ اسلام نے مسلمانوں کو خوشی کے جو دن دیئے ہیں ان کا تعلق بھی عبادت اور اجر وثواب ہی سے ہے۔

وطن عزیز اس وقت اقتصاد ومعیشت کے جن بحرانوں سے دوچار ہے ان میں توانائی......یعنی بجلی......کا بحران سب سے اہم ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں کی صدیوں کی ہندوانہ معاشرت، ڈیڑھ صد سالہ انگریز کی غلامی اور دین سے دوری کے سبب ہندوستانی مسلمانوں نے غمی وخوشی کے ہندوانہ رسوم ورواج اور صلیب کے زیر اثر غلامانہ ذہنیت سے غیر معمولی اثرات قبول کیے۔ دین قرار دے کر تین دن سے زیادہ......٧ دن، ١٠ دن، ٤٠ دن اور سوگ کا سالانہ اجتماع......کا سوگ، پھر جنازگاہ جاتے ہوئے......ویسے گپیں ہانکنا لیکن......میت کو کندھا دیتے وقت بلند آواز سے غیر مسنون دعوت ذکر......کلمہ شہادت......دینا اسی طرح خوشی کے موقعہ پر باجا گاجا، ڈھول ڈھمکا، ناچ گانا اور بے جا اخراجات جو اکثر اسراف سے تجاوز کرکے تبذیر تک جا پہنچتے ہیں۔ اس کے علاوہ لائٹنگ خصوصاً ملکی سطح پر یومِ آزادی، یومِ پاکستان، ٢٥ دسمبر پر بے پناہ لائٹنگ پھر ثواب جانتے ہوئے اور دین سمجھ کر میلاد النبی، شب معراج، شب براءت پر چراغاں کرنا جو کہ احادیث، عمل صحابہ یا کسی بھی فقہ کی کسی کتاب سے قطعاً ثابت نہیں۔

حکومت سے منسلک یا حکمرانوں کی قربت سے بہرہ ور علماء کو چاہیے کہ وہ حکومت اور حکمرانوں کو ان خرافات وبدعات سے بچا کر حقِّ علمِ دین ادا کریں اور توانائی کی بچت کروا کر وطن عزیز پر احسان فرمائیں کہ یہ دین اور وطن کی اہم ضرورت ہے۔

اسی طرح مذہبی جلوس! یہ بھی احادیث، عمل صحابہ یا کسی بھی فقہ کے کسی بھی امام سے یہ جلوس وغیرہ ثابت نہیں ہماری معلومات کی حد تک ایران میں بھی عزاداری محدود مقامات میں ہوتی ہے اور لاہور میں بھی کسی وقت یہ جلوس بیرون لاہور سے گزرتا تھا۔ اس مرتبہ حکومت کا بلاشبہ بہت اچھا، محفوظ اور معقول ترین انتظام تھا لیکن شہر کے اکثر حصے میں زندگی مفلوج رہی۔ تاہم امن وامان کی خاطر یہ صعوبت برداشت کی جاسکتی ہے۔

عیدالاضحیٰ کے بعد پاکستان خصوصاً پنجاب میں محرم، میلادالنبی بڑی گیارھویں شریف کے جلوس ایک ہنگامہ مچائے رکھتے ہیں، جس علاقہ میں دفتر الاعتصام ہے وہاں ان کے علاوہ علی بن عثمان ہجویریؒ کے عرس کے نام پر شوروغوغا اضافی ہوتا ہے۔ محرم کے علاوہ دیگر جلوسوں میں ڈھول ڈھمکا، فلمی طرز کی نعتوں پر رقص اور دھمالوں سے وہ طوفان بدامنی پیدا ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ۔

ان جلوسوں کی شرعی حیثیت تو ہر صاحب علم پر عیاں ہے ان سطور میں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حکومت پاکستان وطن عزیز کے اس بحرانی دور میں توانائی کی بچت کی طرف خصوصی توجہ دے۔ پنجاب میں رات دکانیں جلد بند کرنے، شادی ہالوں کی تقریبات دس بجے تک محدود کرنے اور کھانے میں ون ڈش کی بندش، حکومت پنجاب کے ان فیصلوں اور احکامات کے دوررس مثبت نتائج مرتب ہوئے۔ ہماری درخواست ہے کہ اسی طرح حکومتی ایام میں چراغاں کی رسم پر پابندی لگنی چاہیے۔ باقی رہے دین کے نام پر چراغاں! تو یہ عمل گریزی کا حصہ ہے کہ دین تو ہم سے عمل کا تقاضا کرتا ہے لیکن مخصوص علماء کا ایک طبقہ دین کے بتائے ہوئے فرائض اور مسنون اعمال کی بجائے عوام کو ان بے جا اخراجات سے عارضی تسکین اور ظاہری نمود ونمائش سے مطمئن کر کے عوام کو بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔ نتیجتاً وہ اعمال کی طرف دھیان ہی نہیں کرتے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ دیکھا دیکھی توحید کے بعض داعی اور بدعات کے نقاد بعض دینی حلقوں نے بھی دیگر صحابہ کرام کے وفات کے دن منانے اور بعض نے اپنے بڑوں کی وفات کے دن کی نسبت سے اجلاس کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ یہ بھی اسی طرح ناجائز ہیں جس طرح محرم اور میلاد کے دن منانے ناجائز ہیں اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔ وما علینا الا البلاغ

ڈاکٹر عافیہ کے لیے کیوں نہیں؟

پاکستان کے سابق حکمران نے ''سب سے پہلے پاکستان'' نامی ایک کتاب لکھی تھی جس میں آں موصوف نے ان افراد کی ...... انعامات کے نام پر ...... قیمت وصول کرنے کا اعتراف کیا تھا جس کا یہ پہلو ابھی تک افشا نہ ہوسکا کہ وہ رقم حکومت کے خزانے میں جمع کرائی گئی یا آں موصوف کی تجوری کی نذر ہوگئی۔ تاہم انہی کے دور حکومت میں ایک پاکستانی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی ''غائب'' کر دی گئی تھی۔ چند سال بعد جب ایک غیر ملکی صحافیہ کے ذریعہ افغانستان کی بگرام جیل میں اس کی بچوں سمیت موجودگی اور اس پر ظلم وستم کی خبر میڈیا میں آئی تو اس کے بعد اس کو فوراً امریکا لے جا کر قید کر دیا گیا۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا، بے چاری ڈاکٹر کے بچے تو ''اچانک'' اس کے ورثاء تک پہنچ گئے لیکن وہ ابھی تک امریکی جیل ہی میں کسی محمد بن قاسم کے انتظار میں زندگی گزار رہی ہے۔ ان کی بہن محترم فوزیہ صدیقی ہر فورم پر گئی اور ہر مقتدر شخصیت سے ملی ہیں اپوزیشن لیڈروں کے دروازوں پر بھی انہوں نے دستک دی۔ محترمہ آمنہ جنجوعہ جو گم شدہ افراد کی بازیابی میں سراپا تحریک بنی ہوئی ہیں، کے ساتھ التجا واحتجاج کا ہر طریقہ اختیار کر چکی ہیں لیکن انہیں اب تک نہ کوئی محمد بن قاسم ملا ہے اور نہ ہی کسی طرف سے کوئی مثبت جواب ملا ہے اور نہ ہی محترمہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا انہیں کوئی ایسا جرم بتایا گیا ہے جس بنا پر اس بے چاری کو حوالہ امریکا کیا گیا تھا۔ امریکی عدالت نے اس کے جو جرائم بیان کیے ہیں ان میں شاید ایک یہ ہے کہ اس نے کسی امریکی فوجی پر گولی چلائی یا چلانے کی کوشش کی تھی اور دوسرا یہ جرم کہ وہ ذہناً اور فکراً امریکا مخالف ہے۔ خیال کیجیے یہ وہی امریکا ہے جو دنیا بھر میں انسانی حقوق اور جمہوریت ...... یعنی اظہار رائے کی آزادی ...... کا چیمپئن بنا ہوا ہے۔ جب کہ جمہوریت کے عنوان پر اور اسی کی آڑ لے کر دنیا میں اس نے خوں ریزی کا بازار گرم کر رکھا ہے، افسوس اس بات کا ہے کہ ڈاکٹر عافیہ کی بہن بچوں اور خاندان کی آہ وزاری کا نہ حکومت پر، نہ حکمرانوں پر نہ اپوزیشن لیڈروں پر حتی کہ عدلیہ تک بہ ظاہر ایسا کوئی اثر دیکھنے میں نہیں آیا جس سے اس بے چاری کی رہائی ممکن ہو یا رہائی کے آثار ہی نظر آنے لگیں۔ پتا نہیں ہمارے لیڈر امریکی نظریہ سے متفق ہیں یا امریکا کے سامنے بے بس ہیں؟ دوسری طرف آسیہ مسیح نامی خاتون توہین رسالت کے الزام میں قید ہے اس کی سزا معاف کرانے کے لیے عیسائی حکومتوں کے سفارت کار حرکت میں آ چکے ہیں حتی کہ آزاد عدلیہ اور اپیل در اپیل کی گنجائش رکھنے والے قوانین ہونے کے باوجود چشمے کے ذریعے عوام سے ہمیشہ آنکھ چھپانے والی پنجاب کی مقتدر ترین شخصیت بڑے عزم ویقین کے ساتھ آسیہ مسیح کو رہا کرانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ جبکہ وطن عزیز میں اقتدار اعلیٰ کی حامل شخصیت قانون اہانت رسول میں ترمیم کے امکان کا شوشہ بھی چھوڑ چکی یا ذہنی میلان کا اظہار کر چکی ہے۔ وہ رہا ہوتی ہے یا نہیں، توہین رسالت کے قانون میں ترمیم ممکن ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ ان سب سوالات کا جواب تو وقت ہی دے گا لیکن اس وقت سوال دو ہیں ایک یہ کہ غیر نظریاتی مملکتوں کے سربراہ اپنی ہم عقیدہ آسیہ کے لیے کتنے سرگرم ہیں اور اسلامی نظریاتی مملکت کے سربراہ اپنی مسلمان بہن کے لیے سرگرم کیوں نہیں؟ اور دوسرا آسیہ کی حمایت میں جو حکمران سرگرم ہیں وہ اگر روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تو انہوں نے کبھی سوچا کہ شافع محشر ﷺ کے حضور کس مونہہ سے جائیں گے؟ انہیں کبھی خیال آیا کہ ان کی ہمدردیاں اور کوششیں آسیہ کے لیے کیوں ہیں اور عافیہ کے لیے کیوں نہیں؟ آہ! اسے کہتے ہیں

ع کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

درس قرآن

قسط نمبر ⑳

تفسیر سورۂ ق

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿ وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ ﴾ [ق : ۳۱]

''اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی، کچھ بھی دور نہ ہوگی۔''

اُزۡلِفَتۡ، ''الزلفۃ'' سے ہے جس کے معنی ہیں: قرب، نزدیکی۔ مشرکین کہتے تھے:

﴿ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَا اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى ﴾ [الزمر : ۳]

''ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔''

جہنم اور جہنمیوں کے مقابلے میں اب جنت اور جنتیوں کا ذکر ہے، جہنم میں تو مجرموں کو گھسیٹ کر، بعض کو سر کے بل کھینچ کر، بڑی بڑی ہتھ کڑیوں میں جکڑ کر، ذلت آمیز صورت میں پھینکا جائے گا۔ مگر اہل جنت کے بارے میں جوں ہی فیصلہ سنا دیا جائے گا، تو وہ چل چل کر منزلِ مراد کو نہیں، بلکہ اسے بالکل اپنے سامنے پائیں گے۔ اہل جنت کو نہیں، بلکہ خود جنت کو لا کر ان کے قریب کر دیا جائے گا اور انہیں کوئی مسافت طے نہیں کرنی پڑے گی۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ جنتی کی کس قدر تکریم و تعظیم ہے کہ اسے جنت کے قریب نہیں، بلکہ خود جنت کو اس کے قریب کر دیا جائے گا، گویا جنت کو پیش کش کی طرح خود جنتی کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۝ وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِلۡغٰوِيۡنَ ۝ ﴾ [الشعرآء : ۹۰، ۹۱]

''کہ جنت متقیوں کے قریب کی جائے گی اور جہنم گمراہوں کے لیے ظاہر کر دی جائے گی۔''

تا کہ یہ دیکھ لیں کہ یہ ہے ہمارا ٹھکانا۔ جہنم کے بارے میں ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيۡرًا ﴾

''کہ جب جہنم انہیں دور سے دیکھے گی تو وہ اس کے غضب اور جوش کی آوازیں سن لیں گے۔'' [الفرقان : ۱۲]

مگر جہنمیوں کے مقابلے میں اہل جنت کے لیے جنت قریب تر کر دی جائے گی، اور ﴿ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ ﴾ یہ ﴿ وَاُزۡلِفَتۡ ﴾ کا مزید بیان ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ جنت کوئی بہت دور سے قریب نہیں لائی جائے گی کہ جس کے انتظار میں ابھی اور وقت درکار ہو، بلکہ وہ بالکل قریب ہے اور اہل جنت کے لیے مزید قریب کر دی جائے گی۔ گویا انتظار کی گھڑیاں ختم، ادھر پل صراط سے اترے، ادھر جنت میں پہنچ گئے۔ مگر بعض نے کہا ہے ﴿ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ ﴾ سے مراد قیامت ہے جو دور نہیں لامحالہ واقع ہونے والی ہے اور جس کا آنا یقینی ہو، اسے دور نہیں سمجھا جاتا، مگر یہ تاویل سیاقِ کلام کے موافق نہیں ہے۔

﴿ هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيۡظٍ ﴾ [ق : ۳۲]

''یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، ہر رجوع کرنے والے، حفاظت کرنے والے کے لیے۔''

جنت اہل جنت کے قریب لا کر پیش کش کے انداز میں، ان سے کہا جائے گا اس میں داخل ہو جاؤ، یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اہل دوزخ کے بارے میں تو فرمایا گیا ہے:

﴿ اَلۡقِيَا فِيۡ جَهَنَّمَ ﴾

''ان کو جہنم میں پھینک دو۔'' ان کے بارے میں تو فرمایا گیا:

﴿ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ﴾ [القمر: ۴۸]
''جس دن منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینکے جائیں گے۔'' نیز فرمایا:
﴿ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴾ [الطور: ۱۳]
''جس دن دھکے دے کر جہنم کی آگ میں گرائے جائیں گے۔''

جن کے بارے میں فرمایا جائے گا: ''اسے پکڑو اور گلے میں طوق ڈالو اور جہنم میں پھینک دو، ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑ کر اسے کھینچو۔''

جہنم کی ہولناک سزا میں جائے گا کون؟ انہیں تو گھسیٹ کر اور قیدی بنا کر ہی جہنم میں ڈالا جائے گا۔ مگر جنت کو اہل جنت کے قریب کر کے کہا جائے گا کہ اس میں داخل ہو جاؤ، جنت کا پروانہ ملنے کے بعد بے تابی بڑھے گی تو فرمایا جائے گا یہ ہے جنت! اس میں داخل ہو جاؤ، یہ ہے جس کا انبیاء و رسل کے ذریعے سے تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔

جس طرح پہلے جہنمیوں کی چھ بد خصلتوں کا ذکر کیا، اب یہاں متقین اہل جنت کی چار صفاتِ حسنہ کا بیان ہے، جن کی بنا پر انہیں پروانۂ جنت ملے گا۔ چناں چہ ان کا پہلا وصف ''اواب'' یعنی بہت رجوع کرنے والا، بیان ہوا ہے۔ یہ لفظ ''اوب'' سے ہے جس کے معنی لوٹنا، رجوع کرنا ہیں۔ جو حیوان اور غیر حیوان کے لیے عام ہے، مگر یہ لفظ خاص کر حیوان کے ارادتاً لوٹنے پر بولا جاتا ہے۔ اسی سے ''اواب'' مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی جو معاصی کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، شعبی رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اواب'' وہ ہے جو تنہائیوں میں گناہوں کو یاد کر کے ان پر توبہ واستغفار کرے۔ عبید بن عمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اواب'' وہ ہے جو اپنی ہر مجلس میں اللہ سے بخشش طلب کرے۔ گویا ''اواب'' نفس کا بندہ نہیں بنتا، بلکہ اپنے اللہ کا بندہ بنتا ہے۔ وہ تمام خواہشاتِ نفس کو چھوڑ کر اللہ کی رضا جوئی میں رہتا ہے، اور جب کبھی اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو فی الفور توبہ واستغفار کے ذریعے سے اپنے اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے، اللہ جل جلالہ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام میں حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴾ [ص: ۴۴]
''وہ بہترین بندے رجوع کرنے والے تھے۔''

اسی طرح حضرت داوٗد علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی وصف آیا، چناں چہ فرمایا:

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴾ [ص: ۱۷]

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بھی ہے:

﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴾ [ص: ۳۰]

پانچ وقت کی نمازوں میں باجماعت حاضری بھی ''اواب'' ہونے کی علامت ہے کہ وہ شب و روز پانچ بار اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُحَافِظُ عَلٰى صَلَاةِ الضُّحٰى إِلَّا اَوَّابٌ قَالَ: وَهِيَ صَلَاةُ الْأَوَّابِيْنَ . [ابن خزيمه، ج: ۲، ص: ۲۲۸، الحاكم، ج: ۱، ص: ۳۱۴ الصحيحه: ۱۹۹۴]

''صلاۃ الضحیٰ کی محافظت ''اواب'' ہی کرتا ہے۔ اور اس نماز کے بارے میں آپ نے فرمایا: یہ صلاۃ الاوّابین ہے۔''

سورج نکلنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے اسے صلاۃ الضحیٰ کہتے ہیں، البتہ اگر وہ سورج طلوع ہونے کے جلد بعد پڑھی جائے تو اسے صلاۃِ اشراق کہتے ہیں اور اگر سورج بلند ہونے پر پڑھی جائے تو اسے صلاۃ الضحیٰ یا صلاۃ الاوّابین کہتے ہیں۔ یہ وقت بھی چوں کہ غفلت اور کام کاج کا ہوتا ہے اس لیے اس میں اللہ کی طرف رجوع کو صلاۃ الاوّابین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

دوسرا وصف ''حفیظ'' ہے، جو بمعنی ''حافظ'' ہے یعنی حفاظت کرنے والا۔ مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر و نواہی کی حفاظت کرنے اور تمام حقوق و فرائض کو ادا کرنے والا ہو۔ بعض نے کہا: حفیظ وہ جو نواہی سے محفوظ رہنے والا اور ''اوّاب'' وہ جو اوامر کی پابندی کرنے

اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے، بعض نے فرمایا کہ ''اوّاب'' کا تعلق دل سے ہے کہ وہ اپنے ربّ کی طرف بار بار رجوع کرنے والا ہے۔ اور ''حفیظ'' کا تعلق عمل و کردار سے ہے، اور دل و عمل کی درستی ہی دین کا اصل مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر اپنے بندوں کی اس صفت کا ذکر فرمایا ہے۔ چناں چہ اپنے اللہ سے جنت خریدنے والے مومنوں کے اوصاف میں فرمایا:

﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [التوبۃ: ۱۱۲]

''توبہ کرنے والے، عبادت گزار، اللہ کی تعریف کے گن گانے والے، روزے دار، رکوع، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے، اور اے نبی ﷺ! ان مومنوں کو بشارت دے دو۔''

سورۃ الاحزاب میں بھی جن اوصاف کا تذکرہ ہوا ہے ان میں ایک یہ ہے:

﴿ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ ﴾ [الاحزاب: ۳۵]

''کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں۔''

سورۃ المومنون میں فلاح وفوز سے ہمکنار ہونے والے ایمان داروں کے اوصاف میں بھی ایک وصف یہ بیان ہوا ہے کہ

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴾

''وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' [المومنون: ۹]

اس لیے حفیظ وحافظ کا دائرہ تمام اوامر ونواہی پر محیط ہے۔ ''اواب'' میں اللہ کی طرف بہر نوع رجوع مراد ہے اور ''حفیظ'' میں اس تعلق کی محافظت کا اشارہ ہے کہ یہ پختہ و مستحکم رہے ٹوٹنے نہ پائے۔



درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: الهدي والسمت الحسن

اچھے خصائل وعادات

٨١٠. عن زيدُ بنُ وهب قال: سمعتُ ابنَ مسعودٍ يقولُ: إنكُم في زمان كثيرٌ فقهاؤُهُ، قليلٌ خُطَبَاؤُهُ، قليلٌ سُؤالُهُ، كَثيرٌ مُعْطُوْهُ، اَلعَمَلُ فيهِ قَائدٌ للهَوٰى، وَسَيَأْتِي مِنْ بَعْدِكُمْ زَمَانٌ قليلٌ فقهاؤُهُ، كثيرٌ خطبَاؤُهُ، كثيرٌ سُؤالُهُ، قليلٌ مُعْطُوهُ، الهَوٰى فِيهِ قَائدٌ للعَمَلِ، اعْلَمُوْا أنّ حُسْنَ الهَدْى ـ في آخِرِ الزَّمَانِ ـ خَيرٌ مِنْ بَعْضِ العَمَلِ. [حسن]

"زید بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو کہتے سنا ہے وہ کہتے تھے تم ایک ایسے زمانے میں ہو جس میں فقہاء زیادہ ہیں اور خطیب کم ہیں۔ مانگنے والے تھوڑے ہیں دینے والے زیادہ ہیں۔اس زمانے میں عمل قائد ہے اور خواہشات نفس (اس کے) تابع ہیں۔ تمہارے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں فقہاء کم اور خطباء بہت زیادہ ہوں گے۔ مانگنے والے بہت زیادہ ہوں گے دینے والے کم ہوں گے۔اس زمانے میں خواہشات نفس قائد ہوں گی اور عمل اس کے تابع ہوں گے۔ جان لو بے شک خوش خلقی اخیر زمانہ میں بعض اعمال سے بہتر ہوگی۔"

٨١١. عن الجُرَيرِىّ، قالَ: قلتُ [لأبى الطفيل]: رأيتَ النَّبيَّ ﷺ قالَ: نَعَمْ، ولا أعلمُ علىٰ ظَهْرِ الأرْضِ رَجُلًا حَيًّا رأىَ النَّبيَّ ﷺ غَيْرِىْ، قَالَ: وكانَ أَبْيَضَ مَلِيْحَ الْوَجْهِ.

[صحيح]

"جریری بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوطفیل رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا تو انہوں نے کہا ہاں۔ اور کہا اس وقت روئے زمین پر میرے سوا کوئی آدمی زندہ نہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو اور کہا کہ آپ ﷺ سفید رنگ ملیح الوجہ یعنی ہنس مکھ تھے۔"

٨١٢. عن الجُرَيرِىّ قال: كنتُ أنا وأبو الطُّفيل [عامر بن وَاثِلَة الكنانى] نطوفُ بالبيتِ، قال أبو الطّفيل: ما بقىَ أحدٌ رأىَ النَّبىَّ ﷺ غيرى، قلتُ [له]: ورأيتَهُ؟ قال: نَعَمْ! قلتُ: كيفَ كانَ؟ قال: كانَ أَبْيَضَ مَلِيْحًا مُقَصَّدًا.

"جریری کہتے ہیں ہم اور حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے حضرت ابوطفیل نے فرمایا: اب میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ میں نے پوچھا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا؟ کہا ہاں دیکھا تھا۔ میں نے پوچھا آپ ﷺ کیسے تھے؟ فرمایا: سفید رنگ حسن میں ملاحت تھی اور میانہ رو تھے۔"

٨١٣. عن ابن عبّاس، عن النَّبيِّ ﷺ قال: ((الهَدْىُ الصَّالِحُ، والسَّمْتُ الصَّالِحُ، والْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ خَمْسَةٍ وعِشْرِيْنَ جُزْءًا مِنَ

النُّبُوَّةِ .)) [حسن]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نیک سیرت اچھی عادت اور میانہ روی نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

٨١٤ . عن ابن عبّاس عن النَّبيِّ ﷺ قالَ: ((إنَّ الهَدْيَ الصَّالِحَ، والسَّمْتُ الصَّالِحُ، والاقْتِصَادُ جُزْءٌ من سَبْعِيْنَ جُزْءاً مِنَ النُّبوَّةِ .

''دوسری مرفوع حدیث میں یہ لفظ ہیں اچھا طریقہ اچھی عادت ہر کام میں میانہ روی نبوت کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے۔''

باب: ويأتيك بالأخبار من لم تزوّد

وہ تجھے خبریں دے گا جس کے لیے تو نے زادراہ تیار نہیں کیا

٨١٥ . عن عكرمةَ، سألتُ عائشةَ رضى الله عنها: هَلْ سمعتِ رسولَ اللّهِ ﷺ يتمثَّلُ شِعْراً قَطُّ؟ فَقالتْ: أَحْيَانًا إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ يَقُولُ: ((وَيَأْتِيْكَ بِالأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ)) . [صحيح]

''حضرت عکرمہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ بطور تمثیل کوئی شعر پڑھا کرتے تھے۔ تو حضرت صدیقہ کائنات نے فرمایا ہاں کبھی کبھار ایسا ہوتا جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو یہ مصرعہ کہا کرتے تھے: وَيَأْتِيْكَ بِالأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ .

فائدہ: اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ستبدی لك الايام ما كنت جاهلا . ويأتيك بالاخبار من لم تزود . عنقریب زمانہ تیرے لیے وہ خبریں لے کے آئے گا جن کو تو نہیں جانتا اور تجھے وہ شخص خبریں دے گا جس کو تو نے سفرخرچ نہیں دیا۔

٨١٦ . عن ابن عبّاس قالَ: إنَّهَا كَلِمَةُ نَبِيٍّ: وَيَأْتِيْكَ بِالأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ . [صحيح لغيره]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ کلمہ کسی نبی کا ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ تمثیل کیا ہے ورنہ اصل شعر دوسرے کا ہے یا یہ مطلب کہ اصل میں یہ کلمہ قول نبی تھا شاعر نے اس کو نظم کرلیا ہے۔ اسی جگہ سے فرمایا ہے وان من الشعر لحكمة بعض شعر حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس تمثیل سے شعرخوانی کا جواز ثابت ہوا ہے۔ صحابہ وصحابیات میں ایک جمع کثیر وجم غفیر شاعر وعارف اشعار تھا۔ ترجمہ محمد بن اسماعیل بخاری میں لکھا ہے کہ انہوں نے نہ کبھی شعر پڑھا اور نہ شعر کہا مگر وہ اشعار جو روایات حدیث میں آئے ہیں کہ بضرورت روایت ان کی زبان پر گزرے ہیں) یا دارمی رحمہ اللہ کی وفات کی خبر سن کر کسی نے بے ساختہ یہ شعر پڑھا تھا:

ان عشت تفجع بالاحبة كلهم
وفناء نفسك لا ابالك افجع

اگر زندگی لمبی ہوئی تو تم کو اپنے تمام دوستوں کی موت کے غم اٹھانے ہوں گے اس وجہ سے تمہارا زندہ رہنا بڑا دردمند ہوگا۔

چوں کہ اچھے اشعار کی نسبت برے اشعار زیادہ آئے ہیں اس لیے اہل تقویٰ نے انہماک نظم میں کم کیا ہے اور قول فیصل پر حدیث ہے۔ الشعر كلام حسنه حسن وقبيحه قبيح اس میں شک نہیں ہے کہ اشعار حسنہ بہ نسبت اشعار ذمیمہ کے عشر عشیر بھی نہیں ہیں اور اسی لیے فرمایا ہے کہ پیپ سے پیٹ بھرنا شعر کے بھرنے سے بہتر ہے اور ایک معمولی شاعر کو دیکھ کر فرمایا تھا: خذوا هذا الشيطان ورنہ اشعار توحید ونعت ومدح صالحات باقیات ونحوہا متضمن حکمت وہجو کفار کا پڑھنا اور کہنا اصل اباحت پر جاتی ہے بلکہ کبھی مستحب ومندوب ٹھہر جاتا ہے جب کہ تائید خدا ورسول مطمح نظر ہوتی ہے جس طرح نفح الطیب بذکر المنزل والحبیب اور دیوان عبدالرحیم برنی وقصائد نعتیہ آزاد ونحوها لیکن مسلمان شاعر کو ضروری ہے کہ مبالغہ واطراء منہی عنہ سے بچے اور سامع پر لازم ہے کہ قبائح اشعار مذکورہ پر دوسروں کو مطلع کردے۔

افتاء

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کے آغاز کا صحیح وقت کون سا ہے؟

حافظ ثناء اللہ خاں مدنی

ماہنامہ دعوت اہل حدیث اشاعت رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ اگست ۲۰۱۰ء میں محترم جناب ڈاکٹر ابوجابر دامانوی کا مقالہ بہ عنوان ''اعتکاف کب شروع کرنا چاہیے'' شائع ہوا اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اعتکاف کا آغاز رمضان کی اکیسویں رات سے ہے۔ پھر جو اہل علم بیسویں کی صبح کے بعد سے اعتکاف کے قائل ہیں ان کے تعاقب کی ناکام سعی فرمائی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ

كان رسول الله ﷺ اذا اراد ان يعتكف صلى الفجر ثم دخل فى معتكفه .

کو مختصر کہہ کر جان چھڑائی ہے۔ حالاں کہ یہ الفاظ موضوع ہیں۔ کیوں کہ ارادہ فعل سے پہلے ہوتا ہے نہ کہ بعد میں۔ اگر یہ صبح اکیسویں رات کے صبح قرار دی جائے تو واقعہ کے خلاف ہے۔ کیوں کہ عمل تو رات کو شروع ہو چکا ہے اب ارادہ کا چہ معنی دارد۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل، ص: ۶۴۹ میں مولانا شرف الدین دھلوی رحمہ اللہ نے بھی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کیا ہے کہ اعتکاف کا آغاز بیسویں کی صبح کو ہونا چاہیے۔

اور موصوف نے جس مفصل حدیث کی طرف احالہ کیا ہے اس میں مجرد صبح کا ذکر ہے جو موضوع پر نص نہیں بلکہ احتمال غالب ہے کہ یہ بیسویں کی صبح ہو خیمے گاڑنے کی تیاری بھی اس بات کی متقاضی ہے پھر ازواج مطہرات کے فعل کو ناپسند کرتے ہوئے نبی ﷺ نے اعتکاف کا ارادہ بھی ترک کر دیا یہ بھی اسی امر کی دلیل ہے کہ یہ بیسویں کی صبح ہے۔ ہاں البتہ مسند ابوعوانہ کے حوالہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے:

كان النبى ﷺ يعتكف فى كل شهر رمضان فاذا صلى الغداة جلس فى مكانه الذى اعتكف بليل .

مضمون نگار کے موقف کی مؤید ہے لیکن یہ روایت سخت ضعیف ناقابل اعتبار ہے اس میں مصنف کا شیخ العطاری احمد بن عبدالجبار کے بارے میں ذہبی نے میزان میں کہا ہے ضعف غير واحد اس کو کئی ایک نے ضعیف کہا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا یہ راوی ضعیف ہے۔ مزید وضاحت کے لیے مفصل کتابیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم نے اسی پر اکتفاء کی ہے۔

پھر موصوف نے بحث کے اختتام پر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جو بخاری اور مسلم میں بایں الفاظ ہے:

ان رسول الله ﷺ كان يعتكف فى العشر الاوسط من رمضان فاعتكف عاما حتى اذا كان ليلة احدى وعشرين وهى ليلة التى يخرج من صبيحتها من اعتكافه قال من كان اعتكف معى فليعتكف العشر الاواخر .

اس کا ترجمہ مضمون نگار کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے۔ پس ایک سال آپ ﷺ نے اعتکاف فرمایا یہاں تک کہ جب اکیسویں رات آئی اور یہ وہ رات تھی کہ جس کی صبح کو

آپ ﷺ اپنے اعتکاف سے اٹھتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا جوشخص میرے ساتھ اعتکاف کرنا چاہتا ہے تو وہ آخری عشرہ کا اعتکاف کرے۔''

پھر فرماتے ہیں اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آخری عشرہ کا آغاز اکیسویں سے ہوتا ہے اور بیسویں کی صبح کو اعتکاف بیٹھنا مفروضے پرمبنی ہے۔ تعجب ہے صاحب موصوف اس حدیث کو نہیں سمجھ پائے ان کے ترجمہ کے مطابق حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ اکیسویں رات کی صبح کو اعتکاف ترک کر دیا جائے دراں حالیکہ اہل علم سے کوئی اس بات کا قائل نہیں یہاں تک کہ خود آپ بھی اس بات کے قائل نظر نہیں آتے۔

اب اس روایت کو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔

اس کے الفاظ یوں ہیں فرمایا: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے

اعتكافنا مع رسول الله ﷺ العشر الاوسط من رمضان قال فخرجنا صبيحة عشرين قال فخطبنا رسول الله ﷺ صحبية عشرين فقال انى ارايت ليلة القدر ...... الخ .

اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یوں تبویب قائم کی ہے:

باب الاعتكاف وخروج النبى ﷺ صبيحة عشرين .

اس سے معلوم ہوا یہ واقعہ بیس کی صبح کا ہے نہ کہ اکیسویں کی صبح کا۔ اس ترجمہ سے مصنف کا مقصود مالک کی سابقہ حدیث جو مالک کے واسطہ سے ابوسعید خدری سے مروی ہے اس کی تشریح کرنی چاہتے ہیں کہ اس روایت میں بھی مراد بیسویں کی صبح ہے نہ کہ اکیسویں کی صبح۔

قاعدہ معروف الاحاديث يفسر بعضها بعضا وهى الليلة التى يخرج من اعتكافه صبيحتها .

ہی ضمیر کا مرجع بیسویں رات کی صبح ہے نہ کہ اکیسویں رات کی صبح۔

اس کی مثال قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَمْ يَلْبَثُوٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴾ [النازعات: ٤٦]

کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اوّل حصہ (دنیا میں) رہے۔ اس آیت کریمہ میں دن کے اوّل حصہ کی اضافت آخری حصہ کی طرف ہے حالاں کہ وہ اس سے پہلے ہے۔ شارح بخاری ابن بطال نے کہا ہر وہ شخص جو دوسری شئے کے متصل ہو چاہے پہلے ہو یا بعد اس کی طرف اضافت کا جواز ہے۔ [بحوالہ فتح الباری:۴/۳۵۶]

نیز بیسویں کی صبح کو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے پس منظر میں ارشاد فرمایا لیلۃ القدر جس کی تلاش میں ہم نے رمضان کے درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا ہے وہ آخری عشرہ میں ہے جو میرے ساتھ اعتکاف میں ہے وہ اسی حالت میں رہے اور جو گھروں کو جا چکے ہیں وہ واپس آ جائیں جانے والے مسجد میں آ گئے۔ اور اگر بالفرض آخری دھاکہ کے اعتکاف کا آغاز اکیسویں رات کو ہے تو آپ فرما دیتے رات کو واپس آ جانا جب کہ واقعہ اس بات پر شاہد ہے کہ اور آپ کے ساتھی آخری عشرہ کے لیے بیسویں کی صبح کو اعتکاف میں رہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا آخری عشرہ کے اعتکاف کا آغاز بیسویں کی صبح سے ہے یہ عملی دلیل ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ واللہ ولی التوفیق

باقی رہا عدد کی کمی بیشی کا مسئلہ سو اس میں ہم شریعت کے تابع ہیں۔ قرآنی الفاظ فاتبعونی میں اسی بات کا درس دیا گیا ہے۔

﴿ لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة ﴾

مسئلہ ہذا پر تفصیلی گفتگو مرعاۃ المفاتیح میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

سوال: ایک مسئلہ بیان کرنا چاہتی ہوں جس کا حل مطلوب ہے۔ میرے دادا نے اپنی زندگی میں کچھ زمین خریدی تھی۔ جو تقریباً ۱۶۶ ایکڑ تھی۔ اپنی زمین انہوں نے اپنے بیٹوں کے نام پر خریدی تھی۔ ان کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔

دادا جان نے میرے والد کے نام پندرہ ایکڑ زمین لگائی تھی۔ ۱۹۹۶ء میں میرے والد دادا جان کی زندگی میں ہی انتقال کرگئے۔ میرے والد کے نام جو زمین تھی وہ وراثت میں ہمارے پاس آنی تھی۔ ہم والدہ کے علاوہ دو بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ لیکن دادا جان نے کاغذات پر دستخط کروا کر وہ زمین واپس اپنے نام کروالی۔ اس کے بعد انہوں نے زمین کی نئی حد بندی کی جس میں انہوں نے اپنے چار بیٹوں کے نام قریباً گیارہ، گیارہ ایکڑ فی بیٹا لگائی (کسی کو کچھ زیادہ اور کسی کو کچھ کم) ایک بیٹے کو انہوں نے ایک یا ڈیڑھ ایکڑ زمین دی۔ انہیں اپنے اس بیٹے سے نافرمانی کی شکایت تھی۔ پہلے انہوں نے اپنی بیوی یعنی میری دادی جان کے نام بھی کچھ زمین لگائی تھی لیکن بعد میں انہوں نے وہ ختم کردی۔ اس کے علاوہ میرے دادا جان نے میرے دونوں بھائیوں کے نام ۹،۹ ایکڑ زمین ہبہ کردی۔ انہوں نے اپنی بیوی اور بیٹیوں کے نام کچھ نہیں رکھا۔

۲۰۰۵ء میں میرے دادا انتقال کرگئے۔ ۲۰۰۹ء میں میری دادی اور ۲۰۱۰ء میں دو چچا انتقال کرگئے۔ ان باتوں کے علاوہ یہ بات بھی آپ کے علم میں لانا چاہتی ہوں کہ دادا جان نے وراثت میں ایک گھر اور ذاتی استعمال کی اشیاء چھوڑی تھیں۔ اس کے علاوہ اپنی زمین کی آمدنی دادا جان نے اپنی زندگی میں خود ہی استعمال کی تھی، بیٹوں کو نہیں دی۔ اس کے علاوہ میرے دادا جان نے ایک مرتبہ یہ بھی کہا تھا کہ یہ میری آبائی زمین نہیں بلکہ میری اپنی زمین ہے اور اسے میری زندگی میں کوئی نہیں بیچ سکتا (حالاں کہ وہ زمین ان کے نام نہیں تھی بیٹوں کے نام تھی۔)

اب صورتِ حال یہ ہے کہ میری پھوپھیوں کو یہ شکایت ہے کہ چار فریقوں یعنی میری دادی جان مرحومہ، ایک چچا اور اُن کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی احساس ہے کہ ان کے والد پر غلط وصیت کا بوجھ ہے جسے ہٹانا چاہیے۔ اس سلسلے میں میرے کچھ سوال ہیں:

۱: کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ساری وصیت غلط ہے۔ اس وجہ سے جو زمین پوتوں یعنی میرے بھائیوں کو ہبہ کی گئی ہے وہ بھی غلط وصیت ہی شمار ہوگی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۲: کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ پہلے وارثوں کو ان کا حق دینا چاہیے اس کے بعد وصیت پر عمل ہونا چاہیے۔ جب حق داروں کو حق نہیں دیا گیا تو دوسروں (یعنی میرے بھائیوں) کو زمین دینا غلط ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۳: سورۃ البقرہ آیت نمبر۱۸۲ کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ اگر وصیت کرنے والے کی طرف سے جانبداری اور گناہ کا اندیشہ ہو تو اصلاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

اس آیت کو بنیاد بنا کر کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وصیت کو صحیح کرنا ضروری ہے۔ آپ سے معلوم کرنا ہے کہ اس معاملے میں میرے بھائیوں پر شریعت کی طرف سے کیا ذمہ داری ہے؟ کیا ان پر لازم ہے کہ زمین واپس کریں؟ وضاحت سے بیان فرمائیں۔

یہاں یہ بھی واضح کردوں کہ میرے دادا جان کے اصل وارثوں میں سے کوئی بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ اس مسئلے کو شریعت کی روشنی میں حل فرمائیں۔ والسلام، ایک بہن......

جواب: محترمہ صورت سوال سے ظاہر ہے کہ آپ کے دادا جان کے جملہ تصرفات من مانی کی شکل ہے وصیت وغیرہ کی قبیل سے نہیں۔ ہاں البتہ آپ کے بھائیوں کو جو زمین ہبہ کی ہے ہبہ کا عمل تو ٹھیک ہے۔ لیکن اس میں مزید اصلاح کی ضرورت ہے وہ اس طرح کہ موہوبہ زمین بہن بھائیوں میں راجح مسلک کے مطابق بحصہ برابر تقسیم ہونی چاہیے۔ مزید آنکہ آپ کے والد چوں کہ اپنے والد کی زندگی میں وفات پاگئے اس لیے وہ اس کے وارث نہیں بن سکتے۔ لہٰذا دادا کی ساری جائیداد موجود ورثاء میں شریعت کے مطابق تقسیم ہوگی۔ نافرمانی کی وجہ سے کسی وارث پر زیادتی نہیں ہونی چاہیے جب تک شرعی مانع موجود نہ ہو۔ دادا کے ترکہ سے بطور میراث آپ کے لیے کچھ نہیں۔



نماز باجماعت کی ادائیگی کے لیے مسجد میں حاضر ہونا

غلام مصطفی فاروق (ریحان چیمہ سیالکوٹ)

جن اعمال کے بجالانے سے آدمی کو حج بیت اللہ کی ادائیگی کی مثل اجروثواب سے نوازا جاتا ہے، ان میں سے دوسرا عمل نماز باجماعت کی ادائیگی کے لئے مسجد میں حاضر ہونا بھی ہے۔ اس بات پر دلالت کرنے والی احادیث میں سے دو احادیث حسب ذیل ہیں۔

پہلی حدیث:

طبرانی اور الجامع الصغیر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ مَشٰی اِلٰی صَلاةٍ مَكْتُوْبَةٍ فِی الْجَمَاعَةِ فَهِیَ كَحَجَّةٍ ، وَ مَنْ مَشٰی اِلٰی صَلاةِ تَطَوُّعٍ فَهِیَ كَعُمْرَةٍ نَافِلَةٍ .

[صحیح الجامع الصغیر للالبانی : ٦٥٥٦]

''فرض نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے جو آدمی مسجد کی طرف گیا، وہ اجروثواب کے لحاظ سے ایسے ہی ہے کہ جیسے اس نے حج کیا۔ جو آدمی نوافل کی ادائیگی کے لئے مسجد کی طرف گیا وہ اجروثواب کے لحاظ سے ایسے ہی ہے کہ جیسے اس نے عمرہ ادا کیا۔''

پروفیسر حافظ عبدالستار حامد حفظہ اللہ ''مساجد کے احکام'' کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''آپ اللہ کے گھروں کی طرف آنے والے کے اجروثواب، نیکی، عظمت، شان، احترام، اکرام، توقیر، اور شرف وعزت کا اندازہ فرمائیں کہ نہ اس نے حج کی درخواست جمع کروائی، نہ قرعہ اندازی ہوئی، نہ رقم بینک میں جمع کروائی، نہ ویزے کے لئے قطار میں کھڑا ہوا، نہ احرام باندھا، نہ گھر والوں سے جدائی اختیار کی، نہ سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، نہ پردیس کے دن کاٹے، نہ کسی قسم کا خرچہ ہوا، بس گھر سے وضو کیا، پاکیزگی حاصل کی، منہ ہاتھ دھویا اور مسجد کی طرف باجماعت فرض نماز پڑھنے کے لئے روانہ ہوگیا۔

فرمایا اے لوگو! تمہیں یہ شخص خالی ہاتھ مسجد کی طرف چلتا ہوا نظر آرہا ہے۔ مگر اجروثواب کی کثرت کا یہ حال ہے کہ بظاہر یہ مسجد کی طرف جارہا ہے، لیکن اللہ رب العزت کے ہاں اس کا مقام یہ ہے، جیسے احرام باندھ کر حج کے لئے اور بیت اللہ کے طواف کے لئے جارہا ہے۔ (سبحان اللہ) اللہ کریم ہم سب کو مسجد کی طرف آنے، انہیں آباد کرنے اور باجماعت نمازیں پڑھ کر حج بیت اللہ کا ثواب حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین''

[خطبات سورۃ نور: ۱/ ۴۰۸]

دوسری حدیث:

سنن ابی داود، مسند احمد، اور کنز العمال میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ مُتَطَهِّرًا اِلٰی صَلاةٍ مَكْتُوْبَةٍ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ ، وَمَنْ خَرَجَ اِلٰی تَسْبِيْحِ الضُّحٰی لَا يَنْصِبُهٗ اِلَّا اِيَّاهُ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْمُعْتَمِرِ. وَ صَلاةٌ عَلٰی اَثَرِ صَلاةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا

كِتَابٌ فِي الْعِلِّيِّيْنَ .

[سنن ابی داؤد، رقم الحدیث : ۵۵۸]

''جو آدمی اپنے گھر سے طہارت و وضو کر کے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے، تو اس کا اجر وثواب ایسے ہی ہے جیسے کہ حاجی احرام باندھے ہوئے آئے۔ اور جو شخص چاشت کی نماز کے لئے نکلے اور اس مشقت یا اٹھ کھڑے ہونے کی غرض صرف یہی نماز ہو، تو ایسے آدمی کا ثواب عمرہ کرنے والے کی مانند ہے، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کہ ان دونوں کے درمیان کوئی لغو نہ ہو "علیین "میں اندراج کا باعث ہے۔''

الشیخ عمر فاروق سعیدی حفظہ اللہ اس حدیث کے فوائد کے تحت لکھتے ہیں:

''(۱) نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے، اور مسجد میں بھی جائز ہے۔ ویسے الفاظ حدیث میں نماز چاشت کے لئے مسجد میں جانے کی صراحت نہیں، بلکہ صرف نماز کے لئے اٹھنے یا جانے کا بیان ہے۔''

(۲) ''علیین'' اس دیوان کا نام ہے جس میں ابرار کے اعمال درج کئے جاتے ہیں۔''

[ابوداؤد مترجم دارالسلام: ۱/۴۴۹]

ان دونوں احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح وظاہر ہے کہ جو خوش نصیب شخص نماز باجماعت کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جاتا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ وطریقہ کے مطابق مکمل خشوع وخضوع سے نماز ادا کرتا ہے، اسے اللہ رب العزت حج کا ثواب اور زائر حرم کا اجر عطا فرما دیتے ہیں۔

ان احادیث سے نماز باجماعت کے لئے مساجد کی طرف جانے کی فضیلت بھی عیاں ہے۔ اس عمل کی اہمیت وفضیلت پر دیگر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

نماز باجماعت کی ادائیگی کے لیے مساجد میں چل کر جانا

قدم قدم پر فضل وکرم:

نماز باجماعت کی ادائیگی کے لئے مسجد تک راستہ طے کرنا ایسا رفیع وارفع اور عظیم الشان عمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے گناہ وخطا کو معاف کرتا ہے۔ اور ایک ایک قدم پر درجات ومراتب کو بلند کرتا ہے۔

(۱) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَطَهَّرَ فِيْ بَيْتِهِ ثُمَّ مَشٰى اِلٰى بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ لِيَقْضِيْ فَرِيْضَةً مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ ، كَانَتْ خُطْوَتَاهُ اِحْدٰهُمَا تَحُطُّ خَطِيْئَةً ـ وَالْاُ خْرٰى تَرْفَعُ دَرَجَةً . [صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المشی الی صلاۃ تمحی بہ]

''جس نے گھر سے طہارت ووضو یا غسل کیا، پھر وہ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں گیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کوئی فریضہ ادا کرے، تو اس کے قدم اس طرح شمار ہوں گے کہ ایک قدم، ایک گناہ کو مٹائے گا۔ اور دوسرا قدم ایک درجہ بلند کرے گا۔''

گناہ معاف، درجہ بلند:

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَزِيْدُ عَلٰى صَلَاتِهِ فِيْ بَيْتِهِ ـ وَصَلَاتِهِ فِيْ سُوْقِهِ خَمْسًا وَّ عِشْرِيْنَ دَرَجَةً ـ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ وَاَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيْدُ اِلَّا الصَّلَاةَ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً ، وَ حُطَّ عَنْهُ خَطِيْئَةً حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَاِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِيْ صَلَاةٍ مَا

كَـانَتْ تَحْبِسُهُ وَ تُصَلِّيْ ، يَعْنِيْ عَلَيْهِ الْمَلا ئِكَةُ مَـا دَامَ فِـيْ مَـجْـلِسِـهِ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ ـ اَللّٰهُمَّ اغْـفِـرْ لَهُ ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَالَمْ يُوْذِ يُحَدِّثُ فِيْهِ .

[صحيح بخاری، كتاب الصلاة، باب الصلاة فی السوق]

''جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، اپنے گھر اور بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص بہترین وضو کر کے صرف نماز کی نیت سے آتا ہے تو (گھر سے لے کر مسجد میں داخل ہونے تک) ہر ایک قدم پر اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے اور ایک گناہ معاف فرماتا ہے۔ اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد جب تک نماز کے انتظار میں ہوتا ہے، تو وہ نماز میں ہی شمار کیا جاتا ہے۔ اور جب تک اپنی جائے نماز میں باوضو بیٹھا رہے تو فرشتے اس کے لئے دعا مانگتے رہتے ہیں۔ اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صَلاَـةُ الْـجَـمَاعَةِ اَفْضَلُ مِنْ صَلاَةِ الْفَذِّ سَبْعٌ وَّ عِشْرِيْنَ دَرَجَةً . [صحيح بخاری، كتاب الاذان]

''باجماعت نماز ادا کرنا اکیلے نماز ادا کرنے سے ۲۷ درجے زیادہ ہے۔''

ان احادیث کے فوائد کے تحت معروف شارح حدیث حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ لکھتے ہیں:

''ان احادیث میں اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔ ایک حدیث میں یہ فضیلت ۲۵ گنا اور دوسری حدیث میں ۲۷ گنا زیادہ بتائی گئی ہے۔ اس کی توجیہہ میں بعض علماء نے تو یہ کہا ہے کہ پہلے یہ فضیلت نبی کریم ﷺ کو ۲۵ گنا بتائی گئی اور پھر ۲۷ گنا۔ اور جیسے جیسے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتا دیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ خشوع وخضوع اور نماز کی ہیئت و آداب کی حفاظت کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی ہے۔ ایک اختلاف یہ ہے کہ یہ فضیلت کس جماعت سے حاصل ہوتی ہے؟ یہ ہر قسم کی جماعت سے، چاہے وہ کہیں بھی ہو، گھر میں، دکان میں یا کسی کھلی فضا، میدان اور صحراء وغیرہ میں؟ یا صرف اس جماعت سے جس کا اہتمام مسجد میں ہوتا ہے؟ بعض علماء پہلی رائے کے قائل ہیں، اور بعض دوسری رائے کے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے دوسری رائے کو ترجیح دی ہے۔'' [ریاض الصالحین مترجم، طبع دارالسلام: ۲/۵۴،۵۵]

مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے، تنہا آدمی کی نماز سے پچیس اور ستائیس درجہ زیادہ ثواب ہے۔

اجر زیادہ ہونے کی وجوہات:

مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا ثواب زیادہ ہونے کی کئی وجوہات ہیں، جن میں بعض کا تذکرہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کیا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں:

① جماعت میں شامل ہونے کی نیت سے مؤذن کی اذان کا جواب دینا۔
② جماعت میں شامل ہونے کے لئے اول وقت جانا۔
③ مسجد کی طرف آرام وسکون سے چلنا۔
④ مسجد میں دعا کرتے ہوئے داخل ہونا۔
⑤ مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد کی دو رکعت نماز پڑھنا۔ ان سب میں اصل نیت جماعت کی ہوتی ہے۔
⑥ جماعت کا انتظار کرنا۔
⑦ فرشتوں کا اس کے لئے دعا مانگنا۔
⑧ فرشتوں کا اس کے حق میں گواہی دینا۔

⑨ اقامت کا جواب دینا۔
⑩ اقامت کے وقت شیطان کے شر سے مامون وسلامت رہنا۔
⑪ امام کی نیت کا کھڑے ہوکر انتظار کرنا۔
⑫ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ پانا۔
⑬ صفوں کا برابر کرنا۔
⑭ امام کے "سمع الله لمن حمده "کا جواب دینا۔
⑮ بھول جانے سے اکثر بچنا، اور جب امام بھول جائے تو سبحان اللہ سے خبردار کرنا یا اس کی قرأت کو درست کردینا۔
⑯ خشوع کا ہونا اور غفلت سے اکثر سلامت رہنا۔
⑰ اپنی ہیئت اور صورت کا اچھی طرح رکھنا۔
⑱ فرشتوں کا اس کو ڈھانک لینا۔
⑲ قرأت کا سیکھنا اور ارکان کا یاد رکھنا۔
⑳ اسلام کی علامت وشعار کا ظاہر کرنا۔
㉑ جماعت سے شیطان کا مٹی میں ملنا۔
㉒ نفاق سے محفوظ رہنا۔
㉓ امام کے سلام کا جواب دینا۔
㉔ لوگوں کے جمع ہوکر ذکر کرنے اور دعا کرنے سے فائدہ ونفع اٹھانا اور کامل آدمی کی برکت سے ناقص آدمی کی نماز کا کامل ہونا
㉕ نماز میں شامل افراد کے درمیان الفت ومحبت کا قائم رہنا، اور نماز کے اوقات میں ان کی ملاقات حاصل کرنا۔
㉖ اگر نماز جہری ہوتو سورۃ فاتحہ پڑھ کر امام سے قرآن کی تلاوت سننا۔
㉗ **ولا الضآلین** کے بعد امام کے ساتھ آمین کہنا۔

[فتح الباری، رقم:۶۰۹]

نمازی آدمی زیادہ ثواب اسی وقت پاسکتا ہے جب وہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔

اللہ کی مہمانی:

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلًا مِنَ الْجَنَّةِ ، كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ .

[صحيح بخاري : ١٠٢٠٠]

''جو شخص صبح یا شام مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مہمانی تیار کرتا ہے، جب بھی وہ صبح یا شام کو جائے۔''

فائدہ: [غدا] زوال سے قبل، اور [راح] زوال کے بعد چلنے کو کہتے ہیں۔ اور بعض دفعہ صبح یا شام سے قطع نظر مطلق چلنے کے مفہوم میں بھی یہ استعمال ہوتے ہیں۔ اس میں مسجد میں اللہ کی عبادت اور نماز ادا کرنے کی نیت سے جانے کی فضیلت ہے۔ جب بھی جائے، صبح یا شام کو اور مومن کا تو دل ہی مسجد کے ساتھ اٹکا ہوتا ہے۔ اسی لئے صبح وشام کی تمام ہی گھڑیوں میں وہ مسجد میں جاتا اور باجماعت نماز ادا کرتا ہے۔

[ریاض الصالحین مترجم:۱/۴۹]

اللہ اکبر! مسجد میں چل کر جانے، باجماعت نماز ادا کرنے والے کے لیے صرف حج کے اجر وثواب کا وعدہ ہی نہیں، بلکہ اس خوش نصیب آدمی کے لئے جنت میں اللہ تعالیٰ کی مہمانی وضیافت بھی ہے۔ اللہ کریم اپنے پرہیزگار مومن بندوں کو ان کے صالح اعمال کی وجہ سے جنت میں رہائش وسکونت عطا فرمائے گا، اور جس طرح ایک بہترین مہمان نواز اپنے صاحب عظمت، لائق تعظیم مہمان کی ضیافت ومدارات کرتا ہے، اس کی خاطر تواضع کرتا ہے، عرش وفرش کا مالک بھی اس کے لئے خود میزبان ہوگا اور یہ بندہ ضیف الرحمٰن ہوگا۔

[نزلا] کا لفظ عربی زبان میں مہمانی کے لئے آتا ہے۔ کیونکہ کسی باوقار وذی عزت ہستی کے نزول کے فوراً بعد ہی اس کی آؤ بھگت، عزت وتعظیم، ضیافت وتواضع شروع ہوجاتی ہے۔ اسے کھانا کھلایا جاتا ہے، اس کے دوسرے معاملات طے کئے جاتے ہیں، اس وجہ سے عربی میں مہمان کو [نزل] کہتے ہیں۔

نقو شہائے قدم:

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

((كَانَتِ الْاَنْصَارُ بَعِيْدَةً مَنَازِلَهُم فِي الْمَسْجِدِ، فَارَادُوْا اَنْ يَّقْتَرِبُوْا فَنَزَلَتْ ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ﴾ [يٰسين: ١٢] قَالَ: فَثَبَتُوْا. [سنن ابن ماجه]

''انصار (میں سے بعض حضرات) کے گھر مسجد سے دور تھے، انہوں نے قریب آنا چاہا۔تو یہ آیت نازل ہوگئی ﴿و نکتب ما قدموا و اثارھم﴾ جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا ہم وہ بھی لکھ لیتے ہیں، اوران کے نشانات بھی لکھتے ہیں۔ چناں چہ وہ لوگ (وہیں) ٹھہرے رہے۔''

قبیلہ بنوسلمہ کی خواہش:

صحیح بخاری و صحیح مسلم، ابن ماجہ و مسند احمد، صحیح ابن حبان اور شرح السنہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا قبیلہ بنوسلمہ کے افراد نے چاہا کہ اپنی موجودہ رہائش ترک کر کے مسجد کے قریب منتقل ہو جائیں۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات اچھی نہ لگی کہ وہ مدینہ کے اطراف کو خالی چھوڑ دیں۔اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا بَنِيْ سَلَمَةَ ! اَلاَ تَحْتَسِبُوْنَ آثَارَكُمْ ؟ فَاَقَامُوْا .

[صحيح بخاری]

''اے بنی سلمہ! کیا تمہیں اپنے قدموں سے ثواب کی امید نہیں؟ چنانچہ وہ لوگ (وہیں) اقامت پذیر رہے۔''

''اس حدیث مبارکہ میں مسجد سے دور رہائش رکھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔تاہم یہ اہل عزیمت کے لئے ہے۔ ہر شخص کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں۔اس لئے جن لوگوں میں ذوق عبادت اور نماز کی پابندی کا اہتمام کرنے کی کمی ہو، ان کے لئے مسجد کے قریب رہنا زیادہ بہتر ہے۔ تاکہ کم از کم فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کے تو وہ مرتکب نہ ہوں۔ کیونکہ فرائض کی ادائیگی، نوافل سے اہم تر بلکہ اشد ضروری ہے۔ کہیں شوق نوافل میں فرائض ہی سے محروم نہ رہ جائیں۔''

[ریاض الصالحین:۱/۵۱]

مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں جو مسلمان رہتے تھے ان کی آرزو اور تمنا تھی کہ وہ مسجد نبوی کے قریب رہائش وسکونت اختیار کر لیں۔ تاکہ مسجد میں آنے جانے اور بروقت نماز کی ادائیگی میں سہولت و آسانی رہے۔لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہیں دی۔اور فرمایا کہ تم لوگ جتنی دور سے چل کر آؤ گے اور یہاں نماز باجماعت ادا کرو گے، تو تمہارا ہر قدم نیکیوں میں شمار کیا جائے گا۔

سورۃ یٰسین کی آیت کریمہ

﴿انا نحن نحی الموتی و نکتب ما قدموا و اثارھم﴾

میں اللہ تعالیٰ نے اسی عام اصول کو بیان فرمایا ہے، انسان کا ہر وہ قدم بھی لکھا جاتا ہے جو وہ اٹھاتا ہے اگر قدم نیکی کے لئے ہے تو وہ نیکیوں میں لکھا جائے گا، اور اگر برائی کے لئے کوئی قدم اٹھا رہا ہے تو وہ برائیوں میں لکھا جائے گا۔

زیادہ دور سے مسجد جانا:

صحیح بخاری و صحیح مسلم، مسند ابی یعلی اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِي الصَّلاَةِ اَبْعَدُهُمْ فَاَبْعَدُهُمْ مِنْ مَشْيٍ ـ وَالَّذِيْ يَنْتَظِرُ الصَّلاَةَ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ اَعْظَمُ اَجْرًا مِنَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ . [صحيح بخاری]

''تمام لوگوں سے نماز کے اجر وثواب کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ دور سے چل کر آتا ہے۔ پھر وہ جو اس سے بھی دور سے آتا ہے۔ اور باجماعت نماز ادا کرنے کا انتظار کرنے والا تنہا نماز پڑھ کر سو جانے والے سے زیادہ اجر وثواب کا مستحق ہے۔''

امام نوویؒ:

امام نووی رحمہ اللہ نے المجموع شرح المہذب میں لکھا ہے کہ:

''دور کی مسجد میں اگر نمازیوں کی کثرت ہو تو وہاں جا کر نماز ادا کرنا اولیٰ ہے سوائے دو شکلوں کے:

① اس کے دور کی مسجد میں جانے کی بنا پر قریبی مسجد میں نظام جماعت معطل ہوتا ہے، چاہے وہ شخص جو امام ہو یا ایسا صاحب اثر ونفوذ کہ اس کے ساتھ لوگوں کی اکثریت وہیں چلی جاتی ہو، اس شکل میں قریبی مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔

② دور والی مسجد کا امام بدعتی، معتزلی، فاسق یا بعض ارکان کے وجوب کا عقیدہ نہ رکھنے والا ہو، تو قریبی مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔

اور خراسانی علماء ہر حال میں قریبی مسجد میں نماز کی ادائیگی کو ہی افضل قرار دیتے ہیں۔ جبکہ صحیح وہی ہے جو جمہور کا قول ہے اور وہ پہلا ہے۔'' [المجموع شرح المهذب للنووی: ٤/٩٤]

ہر قدم پر اجر:

سنن ابی داود اور بیہقی میں ہے، حضرت سعید بن مسیّبؒ بیان کرتے ہیں کہ:

ایک انصاری کی موت کا وقت آ گیا۔

تو اس نے کہا:

میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں، اور محض اجر کے لئے سناتا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

جب تم میں سے کوئی وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر نماز کے لئے نکلتا ہے:

لَمْ يَرْفَعْ قَدَمَهُ الْيُمْنٰى اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهٗ حَسَنَةً ۔ وَلَمْ يَضَعْ قَدَمَهُ الْيُسْرٰى اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ سَيِّئَةً ۔ فَلْيَقْرِبْ اَحَدُكُمْ اَوْ لِيَبْعَدْ.

''جب وہ دایاں پاؤں اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور وہ بایاں قدم نہیں ٹکاتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی ایک غلطی معاف کر دیتا ہے، تو جو چاہے (مسجد کے) قریب رہے یا بعید (تمہاری مرضی ہے)''

اگر وہ مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اگر وہ مسجد میں آیا اور لوگ کچھ نماز پڑھ چکے تھے اور کچھ باقی تھے تو جو اسے مل گئی اس نے ان کے ساتھ پڑھی اور باقی کو پورا کر لیا تو ایسے ہی ہوگا (یعنی اس کی بھی مغفرت ہوگی) اور اگر وہ مسجد میں آیا اور لوگ نماز پڑھ چکے تھے، پھر اس نے (اکیلے ہی) نماز پوری کی تو بھی ایسے ہی ہوگا (یعنی بخشا جائے گا)۔ [سنن ابی داود]

قارئین کرام!

نماز با جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف چل کر جانا ایک ایسا عظیم الشان اور رفیع الدرجات عمل ہے کہ جتنے قدم چل کر جائے گا اتنا ہی اجر وثواب بڑھتا جائے گا۔ اس کے گناہ معاف، نیکیوں میں اضافہ اور درجات بلند ہوتے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت، رضا اور جنت کا مستحق ٹھہرے گا۔

اللہ رب العزت نماز با جماعت کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جانے والے خوش قسمت کے نامہ اعمال میں حج بیت اللہ کی مثل اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

اللهم اجعلنا منهم



مولانا محمد یٰسین راہی کی سفر حج سے واپسی

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کے مدیر مولانا محمد یٰسین صاحب راہی امسال رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ ۳ دسمبر کو واپس جام پور پہنچ گئے ہیں۔ الحمد للہ

اللہ کریم ان کا یہ سفر مبارک قبول فرمائے، آمین۔

[محمد اسماعیل ساجد]

بہ سلسلہ حالت احرام میں نقاب کا مسئلہ

ایک تنقیدی مراسلہ اور اس کا جواب

حافظ صلاح الدین یوسف

راقم کا ایک مضمون بہ عنوان ''کیا حالت احرام میں عورت کے لیے چہرہ ننگا رکھنا ضروری ہے؟'' اکتوبر، نومبر کے ''الاعتصام'' کی دو اشاعتوں میں شائع ہوا ہے جس میں وضاحت کی گئی تھی کہ مردوں کے ہجوم میں عورت کے لیے حالت احرام میں بھی چہرے کو ڈھانپ کر رکھنا ضروری ہے۔

اس مضمون پر ہمارے ایک فاضل دوست مولانا ابورجال صاحب مدرس جامعہ اہل حدیث چوک دالگراں لاہور کا ایک تنقیدی مراسلہ ''الاعتصام'' کی معرفت موصول ہوا ہے جس میں مولانا موصوف نے کئی باتوں کی ہم سے وضاحت طلب کی ہے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم وضاحت طلب امور کی وضاحت کریں، ہم موصوف سے ایک سوال یہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ نفس مضمون سے متفق ہیں یا اس سے ان کو اختلاف ہے؟ ان کے پورے مراسلے سے ان کا موقف واضح نہیں ہوتا۔ حالاں کہ پہلے مضمون کے اصل اور بنیادی موضوع کی بابت ان کو بتانا چاہیے تھا کہ ان کو اس سے اتفاق ہے یا نہیں؟ اس اعتبار سے ان کا مراسلہ، بقول غالب

مدعا عنقا ہے اپنے عالم ''تحریر'' کا

کا آئینہ دار ہے۔

اب ان کے سوالات کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

پہلا سوال: ''مشہور مسالک میں اس کا کون قائل ہے کہ عورت کا حالت احرام میں چہرہ ننگا رکھنا ضروری ہے؟ حوالہ اور ان کے دلائل نقل فرمائیں۔''

حالاں کہ مضمون میں فقہی مذاہب ومسالک کا خصوصی طور پر ذکر ہی نہیں آیا، تو پھر اس سوال کی کیا اہمیت ہے؟ مضمون کے آغاز میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''اکثر علماء یہ پابندی عائد کرتے ہیں کہ عورتیں حج اور عمرے (کے احرام) میں چہرہ ننگا رکھیں، یا چہرے کو اس طرح ڈھانپیں کہ کپڑا چہرے کو مس نہ کرے۔''

پھر پورے مضمون میں اس مسئلے کی مدلل وضاحت کی گئی ہے۔ اس میں کسی مسلک کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے تو پھر اس کا مطالبہ چہ معنی دارد؟ آپ کو فقہی مسالک سے کیا غرض؟ آپ کو نفس مضمون پر اظہار خیال کر کے اس کی تائید یا تردید کرنی چاہیے تھی۔

دوسرا سوال: ''آپ واضح فیصلہ عنایت فرمائیں کہ آیا آپ کے نزدیک یہ الفاظ لا تنقب المرأة المحرمة مدرج ہیں کہ نہیں؟''

یہ سوال بھی نہایت سطحی ہے، حالاں کہ اہل علم جانتے ہیں کہ بعض احادیث میں راویوں کی طرف سے بعض اضافے ہیں، انہی کو مدرج کہا جاتا ہے اور اسی طرح بعض مدرج الفاظ کی بابت محدثین کے درمیان اختلاف بھی ہوتا ہے، کسی کے نزدیک وہ الفاظ مدرج ہوتے ہیں اور کسی کے نزدیک وہ قولِ رسول ہی ہوتا ہے۔ اور جن بعض روایات میں یہ اختلاف چلا آ رہا ہے، وہ کتابوں میں موجود ہیں اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تحقیق وتنقیح سے کوئی ایک پہلو واضح اور متعین ہو جاتا ہے لیکن بعض دفعہ ایسے واضح قرائن نہیں ملتے کہ کوئی قطعی فیصلہ کیا جا سکے۔ ایسی صورت میں مدرج الفاظ کے مضمون کے اثبات میں اشتباہ رہتا ہے۔

زیر بحث الفاظ میں محدثین کا اختلاف ہے جس کی وضاحت مضمون میں موجود ہے۔ لیکن راقم نے اس وضاحت کے بعد مذکورہ الفاظ کو مرفوع حدیث ہی قرار دے کر مزید گفتگو کی ہے۔

اس کے بعد اس سوال کی بھی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

تیسرا سوال: ''قطعیت سے آپ کی مراد کیا ہے، تعریف ارشاد فرمائیں؟''

یہ سوال راقم کی اس عبارت پر کیا گیا ہے جو مذکورہ الفاظ حدیث کی بابت اختلاف نقل کرنے کے بعد لکھی گئی ہے۔

''بہر حال محدثین کے درمیان یہ اختلاف ہے اس لیے ان الفاظ کی بابت قطعیت کے ساتھ مرفوع یا موقوف ہونے کا فیصلہ نہایت مشکل ہے۔ تاہم اس کو مرفوع سمجھتے ہوئے ہی ہم اس مسئلے کو مسئلۂ حجاب کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

اس عبارت میں قطعیت کا جو لفظ استعمال ہوا ہے، اس میں کیا ابہام ہے؟ جو موصوف ''قطعیت'' کی تعریف ہم سے پوچھ رہے ہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے اس عبارت میں ''مشکل'' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، کوئی صاحب یہ سوال داغ دیں کہ ''مشکل'' سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اس کی تعریف ارشاد فرمائیں۔

چوتھا سوال: ''اگر دوسرے موقف والوں کی بات مان لی جائے تو کیا بخاری کی اس حدیث کو ضعیف کہا جاسکتا ہے کہ نہیں، اگر نہیں تو کیوں نہیں؟''

یہ سوال بھی کسی صاحب علم سے متوقع نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ کسی بھی حدیث میں مدرج الفاظ کی شمولیت سے وہ حدیث ضعیف نہیں ہوتی، اگر سنداً وہ روایت صحیح ہو۔ صرف مدرج الفاظ کا مرفوع ہونا مشتبہ ہوگا۔ زیر بحث الفاظ حدیث کو کئی کبار محدثین نے مدرج قرار دے کر اسے موقوف تو کہا ہے لیکن ضعیف کسی نے نہیں کہا۔ اگر ناقد صاحب کے علم میں محدثین کا بیان کردہ ایسا اصول ہے تو اس سے ہمیں مطلع فرما کر شکریے کا موقع دیں۔

پانچواں سوال: ''آیا مدرج حدیث ضعیف ہوتی ہے کہ نہیں؟ ......لفظ ضعیف اس پر صادق آئے گا کہ نہیں؟''

اس سوال کی وضاحت پچھلے سوال کی وضاحت میں گزر چکی ہے کہ محدثین کے ہاں ایسی حدیث جس میں ادراجِ راوی ہو، ضعیف نہیں ہوتی، حدیث کا بقیہ حصہ صحیح ہوتا ہے اگر اس کی سند صحیح ہو۔ صرف مدرج الفاظ کو مرفوع حدیث کا حصہ نہیں سمجھا جاتا۔

اسی قسم کے دو تین سوال اور ہیں، مذکورہ سوالات سے، جن کی وضاحت کی گئی ہے، سطحیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک سوال یہ کیا گیا ہے:

چھٹا سوال: چہرے کے پردے کا منکر کافر ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کیوں نہیں؟

بتلایئے! اس سوال کا ہمارے اصل مضمون سے کیا تعلق ہے؟ تاہم وضاحت کے طور پر عرض ہے کہ چہرے کے پردے کا انکار اگر اس بنا پر ہے کہ بعض دلائل سے پردے کا مسئلہ اس کی سمجھ میں اسی طرح آیا ہے کہ چہرے کو استثناء حاصل ہے جیسا کہ بعض اسلاف سے یہ رائے منقول ہے تو ہمارے نزدیک اگرچہ ان کا یہ موقف صحیح نہیں۔ کیوں کہ اس رائے کی بنیاد جن دلائل پر ہے، وہ کمزور یا وہ روایات غیر صحیح ہیں۔ تاہم یہ فہم واجتہاد کا اختلاف ہے اگر ان کے فہم میں یا قرآن وحدیث سے استدلال کرنے میں کسی زیغ وضلال کا دخل نہیں ہے جیسے پردے کی اہمیت کے منکرین کا ایک گروہ ایسے زیغ وضلال میں مبتلا ہے، تو فہم واجتہاد کا یہ اختلاف ایسا ہے جو اسلاف ہی سے بعض مسائل میں چلا آرہا ہے اور اس کی بنا پر کسی نے کسی کے خلاف فتویٰ نہیں دیا اور نہ کوئی فتویٰ دیا ہی جاسکتا ہے۔

ساتواں سوال: ''محرم مردوں کے سامنے عورتیں اپنی کون سی زینت ظاہر کرسکتی ہیں اور کون سی نہیں؟ دونوں صورتوں میں قرآن وحدیث سے عبارت نقل فرمائیں۔''

اس سوال کا بھی کوئی تعلق ہمارے اصل مضمون سے نہیں ہے، علاوہ ازیں اس سوال میں کوئی معقولیت بھی نہیں ہے، یہ مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ جن سے پردہ ضروری ہے ان سے عورت نے اپنی ہر چیز کا پردہ کرنا ہے، سوائے ان چیزوں کے جن کا پردہ بعض حالات میں ممکن نہ ہو، جس کی وضاحت قرآنِ کریم کی آیت ﴿ ولا یبدین زینتھن الا

ما ظھر منھا﴾ [النور: ۳۱/۲۴] ''اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے ان کے جو ظاہر ہو۔'' میں ہے۔ راقم نے اس آیت کی تشریح میں حسب ذیل نوٹ لکھا ہے:

''اس سے مراد وہ زینت اور حصہ جسم ہے جس کا چھپانا اور پردہ کرنا ممکن نہ ہو۔ جیسے کسی کو کوئی چیز پکڑاتے یا اس سے لیتے ہوئے ہتھیلیوں کا یا دیکھتے ہوئے آنکھوں کا ظاہر ہو جانا۔ اس ضمن میں ہاتھ میں جو انگوٹھی پہنی ہوئی ہو یا مہندی لگی ہو، آنکھوں میں سرمہ، کاجل ہو یا لباس اور زینت کو چھپانے کے لیے جو برقعہ یا چادر لی جاتی ہے، وہ بھی ایک زینت ہی ہے۔ تاہم یہ ساری زینتیں ایسی ہیں جن کا اظہار بہ وقت ضرورت یا بہ وجہ ضرورت مباح (جائز) ہے۔''

[تفسیر احسن البیان، مذکورہ آیت]

اور جن سے عورت کا پردہ نہیں ہے اور جن کے سامنے وہ اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہے، اس کی وضاحت اسی مذکورہ آیت کے اگلے حصے میں موجود ہے۔

مذکورہ سوالات کے علاوہ موصوف نے ایک دو باتیں اور بھی تحریر کی ہیں جن کے سمجھنے سے راقم قاصر رہا ہے، اس پر بقول غالب یہی عرض کیا جا سکتا ہے۔

یا رب! نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

بہر حال راقم کے ایک واضح اور صاف مضمون پر ابو رجال صاحب نے جو تعاقب فرمایا ہے اور جو سوالات وارد کیے ہیں ان کی سطحیت اتنی واضح ہے کہ کسی اہل علم سے ان کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ غالباً کسی ایسے ہی موقع کے لیے شیخ سعدی نے فرمایا تھا۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد



نقطۂ نظر

ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

فاروق الرحمٰن یزدانی (ایڈیٹر ماہنامہ ترجمان الحدیث)

اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کو جو عزت اور مقام و مرتبہ نصیب فرمایا ہے روئے زمین پر وہ کسی دوسری جگہ کا مقدر نہیں بن سکا۔ پھر حرمین شریفین کی خدمت کرنے والوں کو بھی باقی دنیا کی بہ نسبت دنیا و آخرت کی نعمتوں' سعادتوں اور عزت سے نوازا ہے کہ اک جہاں ان کی خوش بختی پر رشک کرتا ہے۔ سعودی حکومت حرمین شریفین کی زیارت کے لئے آنے والوں کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچانے کی سعی و کوشش کرتی رہتی ہے خصوصاً حج کے موقعہ پر حجاج کی خدمت کے لئے جو انتظامات کئے جاتے ہیں دنیا کی کوئی دوسری حکومت اتنے بڑے اجتماع اور افرادی تعداد کو اس قدر سہولتیں مہیا کرنے کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

سعودی حکومت کی ان خدمات کا اندازہ لگانے کے لئے امسال ۲۰۱۰ء کے حج کے موقع پر ہنگامی طور پر کئے گئے حج انتظامات کا سرسری سا جائزہ لیتے ہیں۔ جمرات کو کنکریاں مارنے کے موقعہ پر حاجیوں کی سہولت کے لئے پانچ منزلہ پل کی تعمیر کی گئی ہے جس پر بوقت ضرورت 12 منزلیں بھی تعمیر ہو سکتی ہیں۔ اس طرح مستقبل میں یہ سہولت تقریباً تین گنا زیادہ ہو جائیگی۔ مثلاً امسال 20 لاکھ افراد نے حج کی سعادت حاصل کی تو آئندہ جمرات پر 50 لاکھ افراد کو رمی کرنے کی سہولت میسر ہو سکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد سعودی حکومت کے انتظامات کا نتیجہ ہے کہ اس سال منیٰ میں رمی کے موقعہ پر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا' فللہ الحمد۔

امسال حاجیوں کی سہولت کے لئے 14 ہسپتال' 138 ڈسپنسریاں قائم کی گئی ہیں جن میں ہنگامی صورتحال کے لئے 3000 بستروں کا بھی بندوبست تھا۔ جبکہ ڈاکٹرز' نرسز اور پیرامیڈیکل سٹاف کی تعداد 17 ہزار سے بھی زائد تھی۔ اس کے علاوہ 121 عارضی مراکز میں جدید ترین سہولتوں سے مزین 292 ایمبولینس گاڑیوں کے ساتھ ساتھ 100 سے زائد سپیشلسٹ ڈاکٹرز متعین کئے گئے نیز حجاج کرام کو بروقت اور اعلیٰ طبی امداد کے لئے ایئر ایمبولینس کا انتظام بھی موجود تھا۔ جبکہ ہیلی کاپٹرز کے ذریعے مسلسل فضائی نگرانی بھی کی جاتی رہی۔ یہ وہ اجتماعی انتظامات تھے جو سعودی حکومت نے حجاج کرام کی سہولت کے لئے کئے تھے جس سے سعودی حکومت کی فرض شناسی' اپنی ذمہ داریوں سے آگاہی اور حجاج کرام کی خدمت اور ان سے والہانہ محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سعودی حکومت نہ صرف کہ خود حرمین شریفین میں آنے والے مہمانوں کی خدمت کرتی ہے بلکہ وہ اس خواہش کے ساتھ ساتھ کوشش بھی کرتی ہے کہ باقی حکومتیں بھی اپنے اپنے ممالک کے حاجیوں سے اسی طرح تعاون کریں۔

چنانچہ جب پاکستانی وزارت مذہبی امور نے مہنگی رہائش گاہیں حاصل کیں تو سعودی حکومت یہ ظلم و زیادتی برداشت نہ کر سکی اور شہزادہ بندر بن سلطان نے چیف جسٹس آف پاکستان کو خط لکھ کر صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے ایکشن لینے اور اصلاح احوال کی ضرورت پر زور دیا۔ لیکن افسوس کہ حکومت بروقت نہ سنبھل سکی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وزارت مذہبی امور نے حج کے معاملات میں اس قدر کرپشن کی اور حاجی صاحبان کو اس بے دردی سے لوٹا کہ حکومتی کارندوں کا یہ جرم نہ صرف چہار دانگ عالم میں زبان زد عام ہو گیا بلکہ حکومتی وزرا آپس میں بھی دست و گریبان ہو گئے۔

اب آیئے وزارت مذہبی امور کی کرپشن کا احوال بھی پڑھیے' سعودی حکومت نے 4500 حج فارم پاکستانی حکومت کو فری دیئے کہ وہ

اپنے کچھ حقدار لوگ مفت حج کے لئے بھیج سکتی ہے لیکن وزیر مذہبی امور حامد سعید کاظمی جو خیر سے خود بھی مولوی ہیں اور ایک مولوی صاحب کے صاحبزادے ہیں اور ملتان کے ایک مدرسہ کے مہتمم بھی۔ انہوں نے یہ فارم 20 سے 80 ہزار روپے میں ٹور آپریٹروں کو فروخت کر کے کروڑوں روپے کما لیے اور ٹور آپریٹروں نے وہ فارم اپنے گاہکوں کو تین تین لاکھ روپے میں دیئے۔

یہ الگ بات ہے کہ سعودی حکومت کو اس خیانت' بددیانتی اور کرپشن کا پتہ چلا تو انہوں نے ایسے تمام ویزے منسوخ کر دیئے جن کی وجہ سے وی آئی پی حج کے خواب دیکھنے والے ان ٹور آپریٹروں سے دست و گریبان ہو رہے ہیں۔ ویسے یہ کوئی نئی بات نہیں کہ سعودی حکومت سارا سال پاکستانی قوم کو تحائف بھیجتی رہتی ہے کبھی کھجوریں، کبھی کتابیں اور حج کے موقع پر خصوصی حج ویزے تاکہ حکمران اور مذہبی و سیاسی راہنما کچھ غرباء و مساکین کو جو کہ حج کی استطاعت نہیں رکھتے سعودی حکومت کے خرچ پر حج کے لئے بھیج دیں تاکہ وہ بھی حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کر سکیں لیکن ہمارے یہ مذہبی و سیاسی راہنما کھجوریں' کتابیں و دیگر تحائف ہڑپ کرنے کے ساتھ ساتھ حج ویزے بھی یا تو فروخت کر دیتے ہیں یا پھر ایسے لوگوں کو حج پر بھیج دیتے ہیں جو نہ صرف کہ حقدار نہیں ہوتے بلکہ عقائد و اعمال کے اعتبار سے بھی کوئی استحقاق نہیں رکھتے۔ مجال ہے جو یہ سہولت کسی مدرسہ کے شیخ الحدیث' یا بزرگ عالم دین کو حاصل ہو جو کسی بھی مدرسہ میں پانچ سات ہزار میں گزارہ کرتے ہوئے ساری زندگی گزار دیتا ہے لیکن حکومتی سطح پر اتنی بڑی کرپشن تو انتہائی افسوس ناک ہے کہ حرام خوری کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے محسن اور مخلص دوست کو بدگمان کرنے کی بھی ایک لاشعوری کوشش ہے۔

اب اس سے بھی آگے کلیجہ تھام کے پڑھیے کہ اس صاحب جبہ و دستار کی قیادت و سرپرستی میں وزارت مذہبی امور نے کیا گل کھلائے اور کرپشن کے کیا ریکارڈ قائم کئے۔ مبینہ طور پر ایک ملتانی کارندے اور وزیراعظم کے کلاس فیلو راؤ شکیل کو کروڑوں روپے لے کر ڈائریکٹر حج لگایا گیا۔ بھلا جو شخص کروڑوں روپے رشوت دے کر عہدہ حاصل کرے وہ اس عہدہ پر اربوں کمانے کی کوشش کیوں نہ کرے گا؟ اے کاش! اس ملک میں کوئی ادارہ، کوئی شخص، کوئی حکمران تو ہو جو اس امر کی تحقیق کرے کہ کروڑوں کا وہ ''ہدیہ'' کس نے وصول کیا اور کس کس نے کتنا کتنا حصہ لیا۔

نیز کرپشن کے اربوں کی کمائی میں کون کون پارٹنر تھا۔ لیکن جہاں ایک چپڑاسی سے لے کر مقتدر اعلیٰ تک کرپشن میں سرتا پا دھنسے ہوئے ہوں وہاں کون تحقیق کرے گا اور کون حقائق سے پردہ اٹھائے گا۔ کیوں کہ بڑے جب خود کرپشن کی انتہاء کو پہنچے ہوئے ہوں تو ماتحتوں کے کچھ نہ کچھ فراڈوں کو تو تحفظ دینا پڑے گا؟ ایک مرتبہ کسی شخص نے ایک بڑے مذہبی راہنما کو کسی دوسرے شخص کی کرپشن کے متعلق بتایا تو وہ مذہبی راہنما کہنے لگے کہ یہ کون سی بڑی بات ہے یہ تو ہر جگہ ہی ہو رہا ہے۔ قارئین! آپ غور فرمائیں جہاں ہماری حالت یہ ہوگی وہاں حاجیوں کو نہیں لوٹا جائے گا تو اور کیا ہوگا؟ اس لئے تو سعودی عرب میں متعین پاکستانی سفیر عمر علی شیرزئی چیختا ہے کہ 25 ہزار فی حاجی تو صرف کمیشن کھایا گیا باقی معاملات میں جو گھپلے کئے گئے ہیں وہ الگ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان سے حج و عمرہ کرنا بہت مہنگا ہے کیونکہ پاکستانی حکمرانوں کی طرف سے حاجیوں کو لوٹنے کے ساتھ ساتھ پاکستانی ایئرلائن P.I.A بھی اپنا حصہ وصول کرتے ہوئے حج اور رمضان المبارک کے دنوں میں کرایہ بڑھا دیتی ہے جبکہ آپ اپنے پڑوسی انڈیا کو دیکھ لیں وہاں ایک کافر، غیر مسلم حکومت ہے لیکن وہاں ایک حاجی سے کم از کم ایک لاکھ 10 ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تک وصول کیا گیا اور انہیں سہولتیں بھی بہتر اور زیادہ مہیا کی گئیں جبکہ ہماری حکومت نہ صرف مسلمان کہلاتی ہے بلکہ اس میں اکثریت مخدوموں، گدی نشینوں اور مجاوروں اور بقول ان کے حضرت (غوث الاعظم) عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی آل اولاد ہونے کے دعویداروں کی ہے۔

اس حکومت میں ایک حاجی سے 2 لاکھ اڑتیس ہزار روپے وصول کر کے بھی انہیں بیت اللہ شریف سے پانچ سات کلومیٹر دور رہائشیں

دینے اورانہیں کھانا، پانی، بجلی اورٹرانسپورٹ جیسی بنیادی سہولتوں سے بھی محروم رکھنے کی شکایات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکومتی کارندوں کی بدمعاشیاں سعودی حکومت برداشت نہ کرسکی اوراس نے پاکستانی حجاج کوٹرانسپورٹ مہیا کرنے کے ٹھیکیدار ملک سعید کو کرپشن کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ ملک سعید کو یہ ٹھیکہ وفاقی سیکرٹری مذہبی امور آغا سرور رضا قزلباش اور قائم مقام ڈائریکٹر جنرل حج سلطان شاہ نے دیا تھا۔ آپ غور کریں کہ یہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے اس لئے تو راؤ شکیل کہتا ہے کہ ''میں اکیلا ذمہ دار نہیں ہوں''

کوئی ایک چاک ہو تو سی لوں میں اسے
ظالموں نے پھاڑ ڈالا ہے تار تار کرکے

قارئین کرام! اس ساری تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حجاج کرام سے کرپشن کی غلاظت میں ڈی جی حج سے لے کر وفاقی وزیر مذہبی امور تک ہر کوئی لت پت ہے۔ لہٰذا ہم ان سطور کے ذریعے چیف جسٹس آف پاکستان سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ اس سارے معاملے کا از خود نوٹس لے کر عدالتی کمیشن تشکیل دے کر بے لاگ تحقیق کروا کر مجرموں کو قرار واقعی سزا دیں اور حجاج کرام کو ان کے بقایا جات مجرموں سے بطور جرمانہ وصول کرکے ادا کیے جائیں۔

اس سارا کچھ ہونے کے ساتھ ساتھ جو بات پاکستانی قوم کے لئے زیادہ تکلیف کا باعث بنی ہے وہ وفاقی وزیر مذہبی امور حامد سعید کاظمی کا وہ شرمناک رویہ ہے جو اس نے سعودی حکومت پر الزام تراشی کرکے اپنے خبث باطن کا اظہار کیا ہے۔ شاید وفاقی وزیر کی اس شیطانی حرکت کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے منیٰ کے میدان میں حاجیوں کے ہاتھوں شیطانوں (جمرات) کے ساتھ ساتھ حامد سعید کاظمی اور اس کے ساتھیوں کو بھی کنکریاں مروائی ہیں۔ سچ ہے ﴿ان بطش ربك لشديد﴾ ''بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔''

وفاقی وزیر کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ پاکستانی تاریخ میں شاید کوئی مذہبی وزیر دوبارہ جیت کر اسمبلی میں پہنچا ہو ورنہ حج کے موقعہ پر جو حاجیوں کو تکلیف دی جاتی ہے اوران سے جس طرح مال بنایا جاتا ہے وہ حاجیوں کی بددعا کا شکار ہو جاتا ہے ورنہ ماضی قریب میں نظر دوڑائیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ حاجی حنیف طیب' عبدالستار خان نیازی' اعجاز الحق جس کو بھی ایک دفعہ حجاج کرام کی بددعا لگ گئی وہ ساری زندگی پھر اقتدار کو ترستا ہی رہا۔ اب حامد سعید کاظمی کی باری ہے دیکھیے حاجیوں کی بددعائیں کہاں تک اثر کرتی ہیں۔

یہاں میں قارئین کی خدمت میں یہ عرض کرنا بھی مناسب سمجھوں گا کہ حامد سعید کاظمی نے یہ سب کچھ لاشعوری طور پر نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر سعودی حکومت کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ شہزادہ بندر بن سلطان نے جو خط لکھ کر چیف جسٹس آف پاکستان کو وزارت مذہبی امور کی کرپشن سے آگاہ کیا تھا اس کا غصہ نکالنا مقصود تھا اور دوسرا یہ ملتانی مولوی اپنے باپ کے اس ادھورے مشن کی تکمیل کرنا چاہتا ہے جو وفاقی وزیر کے والد احمد سعید کاظمی نے ''حجاز کانفرنس'' کے نام سے تحریک شروع کرکے مکہ اور مدینہ کو کھلا شہر قرار دینے کا مطالبہ کرتے ہوئے سعودی حکومت کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کیا۔ تو شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ نے دوسرے اکابرین اہل حدیث کے ساتھ مل کر ''حرمین شریفین کانفرنس'' کے نام سے تحریک شروع کرکے نہ صرف سعودی حکومت کا دفاع کیا بلکہ احمد سعید کاظمی کی تحریک کا دندان شکن جواب دیا۔ ان دنوں شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ نے چیلنج کیا تھا کہ جو بھی بریلوی مولوی چاہے وہ میری مسجد چینیا نوالی میں جمعہ پڑھا لے اور مجھے علی ہجویری کی (داتا دربار والی) مسجد میں جمعہ پڑھانے کا موقعہ دے پھر ہم دیکھیں گے کہ لوگ آپ کے ساتھ ہیں یا ہمارے ساتھ۔

مولوی احمد سعید کاظمی تو حرمین شریفین کو کھلا شہر دیکھنے کی حسرت اپنے دل میں لیے راہی ملک عدم بن گیا۔ ان شاء اللہ العزیز علامہ شہید رحمہ اللہ کے روحانی فرزند اس گروہ کے ناپاک عزائم کبھی پورے نہیں ہونے دیں گے کہ

ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے



متاثرین سیلاب جام پور کے لیے

فوری تعاون کی ضرورت

ملکی تاریخ کے خوفناک سیلاب سے جام پور شہر اور اس کا مضافاتی بیسیوں میل کا علاقہ بری طرح متاثر ہوا ہے۔ ہزاروں لوگ تا حال مکانات سے محروم ہیں۔

بستروں کی ضرورت

سردی کے شدید موسم میں متاثرین کے لیے بستروں اور گرم کپڑوں کی فوری واشد ضرورت ہے۔ مرکز اہل حدیث جام پور کی طرف سے چھ ہزار گرم بستر (رضائی، گدا اور تکیہ) تقسیم کا پروگرام ہے۔ مخیرّ حضرات بستر، کمبل اور گرم کپڑے فوری طور پر فراہم کریں تا کہ ضرورت مند متاثرین سیلاب کو پہنچائے جا سکیں۔

مکانات کی تعمیر

بے گھر اور مکانات سے محروم متاثرین کے لیے مکانات کی تعمیر کا پروگرام ہے۔ تخمینہ لاگت مکانات حسب ذیل ہے:

۱: پکا مکان (دو کمرے، کچن، باتھ روم اور چار دیواری) لاگت تخمینہ تین لاکھ روپے

۲: کچا مکان (دو کمرے، کچن، باتھ روم اور چار دیواری) لاگت تخمینہ سوا لاکھ روپے

مخیرّ حضرات اپنے ہم وطن بھائیوں کی مدد کے لیے آگے آئیں اور مذکورہ ضرورتوں کے لیے فوری تعاون بھجوائیں۔ ہم پوری ذمہ داری سے آپ کا تعاون متاثرین تک پہنچائیں گے۔ ان شاء اللہ

بذریعہ بنک

۱: اکاؤنٹ نمبر 1107-00166008-03 حبیب بینک جام پور، بنام ادارہ تبلیغ اسلام

۲: اکاؤنٹ نمبر 1142-0201000493-9 مسلم کمرشل بینک جام پور، بنام جمعیۃ اہل حدیث

بذریعہ منی آرڈر

محمد یٰسین راہی، مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور ضلع راجن پور، پنجاب۔ پاکستان

فون نمبر: 0333-8556473

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے۔

تحفۃ الجمعہ

مصنف: مولانا محمد یوسف
ضخامت: ۲۰۷ صفحات
ناشر: پروفیسر عبدالرحمٰن محسن و جمعیت اہل حدیث راجووال
ملنے کا پتا: مکتبہ دارالحدیث (الجامعۃ الکمالیہ راجووال، ضلع اوکاڑا
اچھی کمپوزنگ، بہترین کاغذ، خوب صورت مضبوط جلد
تبصرہ نگار: (مولانا) محمد اسحاق بھٹی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف صاحب بانی و مہتمم دارالحدیث کمالیہ راجووال کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے۔ انہوں نے نہایت مشکل حالات میں شہری ماحول سے دور ایک گاؤں میں دارالحدیث کی بنیاد رکھی۔

دارالحدیث کا کتب خانہ بہت سی نایاب اور اہم ترین کتابوں پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا عبداللہ شہید (ساکن کھپیاں والی ضلع فیروز پور) کا کتب خانہ بھی دارالحدیث کمالیہ کے کتب خانے کو عطا کر دیا گیا ہے، جس میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری (صاحب تحفۃ الاحوذی) کے اور دیگر جلیل القدر علمائے عظام کے مکتوبات گرامی بھی شامل ہیں، جنھیں بہت بڑے تبرک کی حیثیت حاصل ہے۔ دارالحدیث کی عمارت بھی بڑی شان دار ہے۔ اب دارالحدیث کمالیہ اور اس کے کتب خانے کا اہتمام مولانا محمد یوسف کے لائق فرزند پروفیسر عبید الرحمٰن محسن کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نوجوان ماشاء اللہ بڑی ذمہ داری اور محنت سے یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

مولانا محمد یوسف صاحب قلم و قرطاس سے بھی رابطہ رکھتے ہیں۔ چند مہینے پیشتر ان کی ایک کتاب ''تحفۃ الجمعہ'' کے نام سے شائع ہوئی ہے، جس میں نمازِ جمعہ کی فرضیت کے ساتھ ساتھ اس کے فضائل تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں اور اس مبارک دن میں جو خصوصیات پائی جاتی ہیں، احادیث کی روشنی میں ان کی وضاحت کی گئی ہے۔

اس کتاب میں بعض قابل تحسین جدتیں بھی کی گئی ہیں۔ مثلاً ابتدا میں ماضی قریب کے چار اہل حدیث خطیبوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ وہ ہیں علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا محمد حسین شیخوپوری اور مولانا عبداللہ صاحب (گوجراں والا) رحمۃ اللہ علیہم۔

چند محدثین عالی مرتبت کے تراجم بھی کتاب میں دیے گئے، جن میں حضرت امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام دارمی، امام بخاری، امام مسلم، امام ابن ماجہ، امام ترمذی، امام دارقطنی، امام ابن حبان اور دیگر متعدد ائمہ کرام شامل ہیں۔ اسی فہرست میں برصغیر کی چند ممتاز شخصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جن میں مصنّفین بھی ہیں اور مدرسین بھی۔ ان کے مختصر حالات بھی بیان فرمائے گئے ہیں، وہ ہیں حضرت حافظ بارک اللہ لکھوی، نواب صدیق حسن خاں، مولانا محمد جوناگڑھی، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی۔ موجودین مصنّفین و معلّمین میں مولانا حافظ عبدالستار حماد اور پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن یوسف کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اسی فہرست میں مشہور عرب عالم علامہ ناصر الدین البانی کا نام نامی بھی درج ہے۔

مراجع و مصادر کی فہرست میں جن کتابوں کے نام درج ہیں، ان کے مرحومین مصنّفین کی تواریخ ولادت و وفات دی گئی ہیں اور موجودین اصحاب تصنیف کی تواریخ ولادت بتائی گئی ہیں۔

بلاشبہ مولانا محمد یوسف صاحب کی تصنیف ''تحفۃ الجمعہ'' بہت سی معلومات پر محیط ہے۔ اس کے مندرجات سے استفادہ کرنا چاہیے۔

فہم القرآن

تالیف: میاں محمد جمیل صاحب ایم اے

تبصرہ نگار: عبدالرشید عراقی

عربی زبان میں تفسیر کے معنی ''کھولنا'' کے ہیں اور اصطلاح میں قرآنِ مجید کے وضاحت سے معانی بیان کرنے کو تفسیر کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے:

﴿ وانزلنا اليك الناس لتبين للناس ما نزل اليهم ﴾

''اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآنِ مجید) اتارا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان کریں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں۔''

علامہ زرکشی (م ۷۹۴ھ) نے علم تفسیر کی مختصر تعریف یہ کی ہے:

علم يعرف به فهم كتاب الله المنزل على نبيه محمد ﷺ وبيان معانيه واستخراج احكامه وحكمه. [البرهان: ۱۳/۱]

یعنی ''(تفسیر) وہ علم ہے جس سے قرآنِ کریم کا فہم حاصل ہو اور اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام اور حکمتوں کا استنباط کیا جا سکے۔''

تفسیر کے ماخذ:

علمائے کرام نے تفسیر کے ماخذ درج ذیل بیان کیے ہیں:

(۱) قرآنِ کریم۔ (۲) احادیث نبوی ﷺ۔ (۳) اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم۔ (۴) اقوال تابعین رحمہم اللہ۔ (۵) لغت عرب۔ (۶) تدبیر واستنباط (عقل سلیم)

تفسیری خدمات:

برصغیر (پاک وہند) میں علمائے اہل حدیث نے اشاعت اسلام، کتاب وسنت کی ترقی وترویج، ادیان باطلہ اور باطل افکار ونظریات کی تردید، مسلک حق کی تائید، اور شرک وبدعت ومحدثات کے استیصال کے سلسلہ میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ اور اس وقت جو دے رہے ہیں۔ وہ تاریخ اہل حدیث کا ایک درخشندہ باب ہے۔ تفسیر قرآن اور علوم القرآن پر علمائے اہل حدیث کی خدمات ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس تفسیر میں میاں صاحب نے دو ترجموں کو جگہ دی ہے۔ ایک ترجمہ تحت اللفظ ہے اور دوسرا ترجمہ با محاورہ ہے۔ اس کے بعد ربط کلام کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور ساتھ ہی آیات سے جو مسائل استنباط ہوتے ہیں۔ اُن کو بھی بیان کیا ہے اور تفسیر بالقرآن بھی بیان فرمائی ہے اور احادیث نبوی ﷺ بھی نقل کی ہیں۔

میاں صاحب حفظہ اللہ نے بڑی سلیس اور سادہ زبان میں قرآنِ مجید کی تفسیر بیان فرمائی ہے کوئی ایسے مشکل الفاظ احاطہ تحریر میں نہیں لائے کہ جو قارئین کی سمجھ میں نہ آ سکیں۔ تفسیر میں قرآنِ مجید کی جو آیات لائے ہیں اس میں سورت کا نام اور آیت نمبر دیا ہے۔ جو حدیث درج کی ہے اس کا بھی حوالہ معہ باب وغیرہ دیا ہے۔ اردو تفاسیر میں یہ تفسیر بڑی عمدہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ یہ تفسیر بڑی جامع اور عام وخواص کے لیے ایک عظیم تحفہ اور معلومات کا خزانہ ہے۔ اس کی تین جلدیں (۱۵ پاروں تک) شائع ہو چکی ہیں۔ چوتھی جلد (پارہ ۱۶ تا ۲۰) طباعت کے مراحل میں ہے۔

ابو ہریرہ اکیڈیمی ۳۷ کمرشل کریم بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور نے شائع کی ہے۔ نعمانی کتب خانہ، اسلامی اکیڈیمی، مکتبہ سلفیہ، مکتبہ اسلامیہ، کتاب سرائے، مکتبہ دارالسلام، مکتبہ رحمانیہ، مکتبہ قدوسیہ، دارالکتب سلفیہ (اردو بازار) لاہور سے دستیاب ہے۔

سود اور اس کے احکام ومسائل

تالیف: ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی

ضخامت: ۷۲ صفحات

قیمت: ۱۴۰ روپے

ناشر: مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے اور تمام انسانوں کے لیے ایک راہ

ہدایت بھی۔اس میں ہرطرح کے احکام ومسائل موجود ہیں جوایک سے بڑھ کرایک ہیں۔انسانیت کے لیے کارآمداور فائدہ مند ہیں جوقوم بھی اسلام کے قوانین کواپنائے گی تو کامیابی وکامرانی ضرور اس کے قدم چومے گی۔

معاشی مسائل میں آج کل سود بری طرح درآیا ہے۔جس کی قباحت ہرقسم کے شک وشبہ سے بالا ہے۔اس کا گناہ حقیقی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔(العیاذ باللہ)

زیرتبصرہ کتاب ہندوستان کے ایک جید عالم دین ڈاکٹرفضل الرحمٰن مدنی کی تالیف ہے۔موصوف الجامعۃ المحمدیہ، مالیگاؤں،منصورہ (انڈیا) کے شیخ الحدیث ہیں۔سعودی عرب کی جامعات سے بھی مستفید ہوئے ہیں اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔اس کتاب میں ان کے دو مقالوں ''ہندوستان میں سود کی شرعی حیثیت'' اور ''سود کی حرمت ومذمت'' ترمیم واضافے کے بعد یکجا شائع کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ بعض سوالات کے جوابات بھی شامل کتاب ہیں۔سود کے متعلق مختلف اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔اس کے علاوہ بنکوں اور بچت کھاتوں کی تفصیل بھی سوالاً جواباً دی گئی ہے۔

سود ایسے اس اہم مسئلے پر سیر حاصل مواد آپ کو یکجا اس کتاب میں مل سکے گا۔مکتبہ قدوسیہ نے کمپیوٹر کمپوزنگ کر کے مضبوط جلد سے مزین کر کے کتاب شائع کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت عمر

تالیف: مولانا فضل الرحمٰن بن محمد الازہری

ضخامت: ۸۰صفحات

قیمت: ۵۰روپے

ناشر: جامع مسجد محمدی اہل حدیث، سنت نگر، لاہور ۵۴۰۰۰

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

زیرتبصرہ کتاب امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت عمر مبارک کے متعلق تحقیقی وعلمی مقالہ ہے۔ اس مقالے کی اشاعت کا پس منظر یہ ہے کہ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور کے ۱۶ جولائی ۲۰۱۰ء کے ملّی ایڈیشن میں ایک ریٹائرڈ بریگیڈیئر حامد سعید اختر کا مضمون شائع ہوا۔اس مضمون میں بعض ناروا باتیں جن کا ڈانڈا انکارِ حدیث سے جا ملتا ہے، بھی لکھی گئی تھیں۔چناں چہ مذکورہ مضمون کا مدلل ومحقق جواب محترم مولانا فضل الرحمٰن الازہری حفظہ اللہ نے لکھا اور اسے ''نوائے وقت'' میں ارسال کیا۔لیکن یہ تحقیقی مضمون اخبار کی انتظامیہ نے شائع نہ کیا۔لیکن بعض دیگر جرائد میں مولانا الازہری حفظہ اللہ کا یہ مقالہ شائع ہوا جس کو کتابی صورت میں بھی شائع کردیا گیا ہے۔بریگیڈیئر صاحب کے مضمون کے جواب میں یہ مقالہ اردو بازار لاہور میں اسلامی کتب خانوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔کمپیوٹر کمپوزنگ، کارڈ کور استعمال کیا گیا ہے۔

لباس کا بیان

تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی

ضخامت: ۲۰۸صفحات

قیمت: ۱۲۰روپے

ملنے کا پتا: حدیث پبلی کیشنز، ۲شیش محل روڈ، لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

مولانا محمد اقبال کیلانی حفظہ اللہ جید عالم دین، محقق اور کہنہ مشق مصنف ومترجم ہیں۔تفہیم السنہ یعنی سنت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فہم عامۃ المسلمین تک پہنچانے کے لیے متعدد ضخیم ومفید کتب تحریر فرما چکے ہیں۔ جن کی تعداد چھبیس تک پہنچ چکی ہے۔ان کتب میں جن اہم موضوعات پر خامہ فرسائی کی گئی ہے ان میں توحید کے مسائل، طہارت، جنازے، دعا، روزوں، جہاد، طلاق کے مسائل، جہنم کا بیان، فضائل قرآنِ مجید، فضائل رحمۃ للعالمین، مساجد کا بیان اور حقوقِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔

زیرتبصرہ کتاب لباس کے موضوع پر ہے۔موجودہ دور فتنوں کا دور ہے۔نت نئے فتنے اُبھر رہے ہیں۔ان اُٹھنے والے فتنوں میں ایک فتنہ ''لباس'' کا بھی ہے۔ [باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر]

اخبار دار الدعوۃ السلفیہ

تحریر: حافظ احمد شاکر

دارالدعوۃ السّلفیۃ میں ایک علمی شخصیت کی آمد

مولانا عطاءاللہ حنیف رحمہ اللہ کے ہاں اہل علم کی آمد ورفت تو شروع ہی سے رہی اور بچپن سے اب ...... بڑھاپے ...... تک بہت سے اہل اللہ، اصحابِ علم اور اربابِ فکر ودانش کی زیارت وخدمت کا موقعہ ملتا رہا۔لیکن ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء میں دارالدعوۃ السّلفیہ کا قیام جب عمل میں آیا تو تب سے اصحابِ علم وفضیلت دارالدعوۃ السّلفیہ میں قدم رنجہ فرماتے رہے۔ ان اصحاب کی آمد اور ان سے ہونے والی ملاقاتوں کا الاعتصام میں شاید ہی کبھی تذکرہ آیا ہو کہ مولانا رحمہ اللہ ان چیزوں ...... خصوصاً اپنی ذات کے اظہار ...... سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ ۱۹۷۷ء کے جون میں دارالدعوۃ کی عمارت کے افتتاح کے لیے الشیخ ناصر محمد الراجح، ڈپٹی ایجوکیشنل قونصلیٹ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، تشریف لائے تھے۔مولانا بھوجیانی رحمہ اللہ نے عمارت کی تیسری منزل یعنی لائبریری کا کمرہ مکمل ہونے پر جب اپنی کتابیں اس میں منتقل فرمالیں تو اس کے افتتاح کے لیے ان کے شیخ حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ تشریف لائے اوراس مجلس میں مکتبہ الدعوۃ الاسلامیہ (سعودی عرب) ...... یہ مکتب اس وقت لاہور میں تھا...... کے مدیر شیخ عبدالعزیز العتیق حفظہ اللہ بھی شریک تھے۔ عالم اسلام کے مشہور مصنف الشیخ یوسف القرضاوی (قطر) جب پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تو مولانا رحمہ اللہ نے ان کو چائے کے لیے تکلیف دی اور وہ تشریف بھی لائے۔ جس میں مولانا فضل الرحمٰن الازہری حفظہ اللہ بھی شریک تھے۔ایک مرتبہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ جب لاہور میں تشریف لائے تو ڈاکٹر منیر الحق (آئی سرجن) کے ہمراہ انہوں نے بھی دارالدعوۃ میں صرف مولانا محمد عطاءاللہ حنیف سے ملاقات کے لیے قدم رنجہ فرمائی تھی۔

ایسے ہی ایک مرتبہ مشہور مصنف مولانا سعید احمد اکبرآبادی رحمہ اللہ جب لاہور میں اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ ان کے ساتھ مولانا معراج محمد حفظہ اللہ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) بھی تھے ان کو بھی جب چائے کے لیے دعوت دی گئی تو انہوں نے دارالدعوۃ کو شرف قدوم بخشا ان کے علاوہ کچھ دیگر احباب مثلاً مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا عبدالخالق قدوسی رحمہ اللہ جسٹس ریٹائرڈ منیر اے مغل اور حافظ عبدالرشید ارشد رحمہ اللہ (مکتبہ رشیدیہ) جیسے دیگر اصحابِ علم وفضل، بھی شریک محفل ہوئے۔

ایسے ہی ۱۹۸۲ء میں جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت کے شیوخ (الشیخ عبداللہ السبت، الشیخ طارق العیسیٰ، الشیخ جاسم العون حفظہم اللہ) اپنے احباب کے ساتھ جب پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تو انہوں نے دارالدعوۃ السّلفیہ کو ہی شرفِ میزبانی بخشا اور دارالدعوۃ ہی میں پانچ روز تک قیام پذیر رہے۔اسی طرح جامعہ اسلامیہ (مدینہ یونی ورسٹی) کے وائس چانسلر الشیخ عبداللہ بن عبداللہ الزائد حفظہ اللہ جب پاکستان کے ایک سرکاری دورے پر تشریف لائے تو مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ انہیں دارالدعوۃ السّلفیہ کی لائبریری دکھانے کے لیے لے کر آئے اور دارالدعوۃ کو شرف تواضع بخشا۔ ان کے بعد ایک مرتبہ الشیخ فہد الغراب حفظہ اللہ (خطیب جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، الریاض) کو حافظ عبدالکریم حفظہ اللہ (ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث) کے ساتھ لائبریری کا انہوں نے دورہ کیا۔علاوہ ازیں الشیخ ابوخالد فلاح المطیری (مدیر لجنۃ القارۃ الہندیہ، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت) نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی تصنیفات کی زیارت کے لیے جب پاکستان تشریف لائے تو انہوں نے دو دن اور دو رات لائبریری ہی میں قیام فرما کر نواب صاحب رحمہ اللہ کی کتب کی زیارت کی۔

ایسے ہی ایک مرتبہ الشیخ صالح الحصین حفظہ اللہ (جو اُس وقت حکومت

سعودیہ کے مشیر تھے اور آج کل رئاسۃ الحرمین الشریفین کے رئیس ہیں) نے بھی دارالدعوۃ السّلفیہ کی لائبریری کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا۔ یہ اُن عالی قدر شخصیات کے نام ہیں جو یاد ہیں۔لیکن دارالدعوۃ السّلفیہ نے ایسی مجالس کا الاعتصام کے صفحات میں کبھی ذکر نہیں کیا۔ اب بعض محترم شخصیات نے اس غلطی کا بایں عنوان احساس دلایا کہ محبین دارالدعوۃ السّلفیہ اور قارئین الاعتصام کو بھی دارالدعوۃ السّلفیہ کی سرگرمیوں سے باخبر رکھا اور شریک محفل کیا جائے۔ چناں چہ آج دورِ حاضر کی ایک معروف علمی شخصیت کا تعارف پیش خدمت ہے۔

''اس شخصیت کا والدین کا رکھا ہوا نام تو تصدق حسین خان ہے لیکن معروف وہ ابوسلمان شاہجہان پوری کے نام سے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کے نیاز مندوں میں سے ہیں، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کے حالات وخدمات پر الاعتصام کی خصوصی اشاعت میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایک گراں قدر مضمون بھی تحریر کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب ایک طویل عرصے بعد لاہور تشریف لائے تو جناب شبیر احمد میواتی کو ساتھ لے کر شفقت فرماتے ہوئے دارالدعوۃ السّلفیہ میں تشریف لائے اور شرفِ ملاقات بخشا۔

ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا گیا کہ آپ مؤرخہ ۱۱/اکتوبر ۲۰۱۰ء کو دارالدعوۃ السّلفیہ کے لیے کچھ وقت عنایت فرمائیں تاکہ بعض دیگر اصحاب علم وفضل کے ساتھ ملاقات بھی ہوجائے گی اور مل بیٹھ کر چائے بھی نوش کرلیں گے ڈاکٹر صاحب نے درخواست قبول فرمالی۔ چناں چہ لاہور میں ہم نے مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ، مولانا ابوبکر صدیق السّلفی، حافظ صلاح الدین یوسف، ملک عصمت اللہ، ڈاکٹر عبدالغفور راشد، ایڈیٹر ہفت روزہ اہل حدیث محترم بشیر انصاری اور رانا شفیق خاں پسروری کو اطلاع دی اور الحمدللہ یہ سب حضرات تشریف لائے۔ نیز ہم نے فیصل آباد میں مولانا عبدالقادر ندوی حفظہ اللہ (ناظم دارالعلوم تعلیم الاسلام ماموں کانجن) جو آج کل فیصل آباد میں قیام پذیر ہیں اور اصحاب علم وفضل سے ملاقات کے متمنی رہتے ہیں۔ ان کو اطلاع دی تو انہوں نے تشریف آوری کا وعدہ فرمالیا اور اسی طرح مجلس احرارِ اسلام کے قدیم خدمت گزار، کہنہ مشق صحافی، جہاں دیدہ وسرد وگرم چشیدہ سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے نیاز منداور خوشہ چین مولانا مجاہد الحسینی حفظہ اللہ سے بھی درخواست کی تو وہ بھی علالت طبع اور نجی مصروفیت کے باوجود تشریف لائے اور تمام مصروفیتوں پر ڈاکٹر ابوسلمان صاحب کا شوقِ ملاقات غالب آگیا اور وہ تشریف لے آئے۔

ڈاکٹر صاحب نے ذاتی تعارف کے ضمن میں فرمایا کہ ''میں ۱۹۵۰ء میں پاکستان میں آیا تھا۔ میں نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا عبدالہادی خاں صاحب سے حاصل کی، مطالعے کا شوق ابتدائی عمر ہی سے تھا پاکستان آکر مختلف مقامات پر ملازمت کی تلاش رہی بالآخر نواب شاہ کے ایک تعلیمی ادارے میں تدریس کا موقعہ مل گیا۔ پھر اپنے طور سے پرائیویٹ تعلیمی شوق کی تکمیل کرتا رہا اور بفضلہ تعالیٰ تعلیم کے مدارج طے کرتا ہوا آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ

''جب میں نے علمی کام کا ارادہ کیا تو دو باتوں کا فیصلہ ابتداہی میں کرلیا تھا، ایک یہ کہ پاکستان کی سیاست میں عملاً حصہ نہیں لوں گا۔ دوسرا یہ کہ کسی مذہبی بحث میں حصہ نہ لوں گا'' ڈاکٹر صاحب نے مولانا ابوالکلام کے ایک جملے کا مفہوم بیان فرمایا کہ مولانا نے فرمایا: ''درود وسلام کے وقت کھڑا ہونا چاہیے یا نہیں؟ کے مسئلہ پر جتنی کتابیں لکھی گئیں اور بحثیں کی گئیں یہ صلاحیتیں اگر مثبت اور اصلاح کی خاطر ہوتیں تو آج برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ مختلف ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب نے بات بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ مولانا ابوالکلام نے ۱۹۲۰ء کے بعد سے جب ہندوستانی سیاست میں عملاً حصہ لینا شروع کیا تو اس کے بعد تذکرہ اور الہلال جیسی علمی کاوشیں منظر عام پر نہ آسکیں۔

۱۹۳۶ء میں ترجمان القرآن کی جلد دوم مکمل کرنے اور شائع کرنے کے بعد سیاسی مصروفیات کے باعث مولانا یہ تفسیر مکمل نہ کرسکے۔ یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ مولانا کا سیاسی دور بہتر تھا یا علمی؟ یہ بحث الگ ہے تاہم نتیجہ یہی سامنے آتا ہے کہ مولانا علمی کام ۱۹۳۶ء کے بعد بالکل نہ

کر سکے، اسی طرح مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمہ اللہ کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ ۱۹۲۸ء میں جب انہیں جمعیۃ العلمائے ہند کا ناظم بنایا گیا تو وہ اسلامی معاشیات پر ایک بلند پایہ کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' اور اخلاقیات پر ''اخلاق اور فلسفہ اخلاق'' تصنیف کرنے کے علاوہ قصص القرآن جیسی بلند پایہ کتاب ان کے قلم سے نکل چکی تھی جس پائے کی کتاب آج تک دوبارہ سامنے نہ آسکی۔ ۱۹۲۸ء کے بعد انہوں نے مسلمانوں کی خدمت تو بہت فرمائی لیکن وہ علمی کام نہ کر سکے۔

انہیں مثالوں کو سامنے رکھ کر میں نے سوچا کہ میں صرف علمی زندگی ہی گزاروں۔ حالاں کہ میرے خاندان میں سیاسی زندگی گزارنا ضروری تھا۔ یعنی باپ کے بعد بیٹا، بھانجا، بھتیجا یا کوئی رشتہ دار سیاست میں عملاً ضرور حصہ لیتا۔ میرے ایک چچا جماعت اسلامی سے متاثر تھے پاکستان آتے وقت انہوں نے مجھے فرمایا کہ جب سیاست میں آنا ہو تو جماعت اسلامی میں آنا، میں ان کی وصیت کے مطابق جب پاکستان آیا تو میں اسی ماحول میں تھا۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۷ء تک میرا وہی مسلک رہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے کیسے نکالا؟ بس خلاصہ یہ کہ اللہ نے مجھے سیاست سے بچا لیا۔ میرے مربی میرے چچا عبدالہادی خاں مفتی کفایت اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ان کے پاس کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا، میرے نانا بھی عالم دین تھے ان کے ہاں بھی کتابوں کا ذخیرہ کافی تھا ان کی وفات کے بعد ماموں نے کہا یہ کتابیں کسی دینی مدرسہ میں دے آؤ تو میں عربی کتب مدرسہ میں دے آیا اور اردو کتابیں لے آیا۔ شادی کے بعد جب ہم نے پاکستان ہجرت کا ارادہ کیا تو میں کپڑوں کے دو جوڑے تو ساتھ نہ لایا لیکن کتابوں کے دو صندوق لے آیا یہ کتابیں ۱۹۸۶ء تک میرے پاس رہیں۔ ۱۹۸۶ء پٹھانوں اور ایم کیو ایم کے جھگڑے میں میرے گھر کو جلا دیا گیا جس میں ساری کتب جل گئیں۔

میرے زیر قلم موضوع سارے تاریخی ہیں یا پھر سیاسی سوانح۔ میں نے ان سے باہر قدم نہیں رکھا کہ میں عالم دین نہیں تھا۔ مجھے علم کی تکمیل کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس وجہ سے میں نے اپنے شوق اور طبیعت کے مطابق ان موضوعات کا انتخاب کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا مولانا مسعود عالم ندوی فرمایا کرتے تھے کہ ''آج کل کے نوجوان گدلانے کی بجائے پکنے کی کوشش کرتے ہیں ہمارے پہلے بزرگ تو کتابیں لکھا کرتے تھے وہ مطالعہ لکھنے کے لیے نہیں بلکہ علم حاصل کرنے کے لیے کتابیں پڑھا کرتے تھے اور ان کا مطالعہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا تھا جب تک وہ اس فن، علم اور اس موضوع کی ہر کتاب پڑھ نہ لیں یا اپنے اساتذہ جو اس کے ماہر ہوتے تھے ان کی خدمت میں جا کر ان سے علم حاصل نہ کر لیں۔ پھر بھی یہ اس وقت تک نہ لکھتے جب تک صورتِ حال بدل نہ جاتی اور وہ سمجھتے کہ اس وقت نئی نسل کو ہمارے افکار کی ضرورت ہے اور یہ اس وقت لکھتے جب یہ سمجھتے تھے کہ اب ہمارے لیے لکھنا فرض ہو گیا ہے اور وہ یہ سوچ کر اور سمجھ کر لکھتے تھے کہ ہمارے لکھنے کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ مصنف نہ لفاظی کرتا ہے اور نہ ہی اپنے علم کا رعب ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسی ہی کتابیں ماخذ و مصادر کا مقام حاصل کرتی ہیں۔

آج کل یہ رجحان چل نکلا ہے کہ لائبریریوں میں جانے اور کتابیں نکلوا کر پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ آ گیا ہے اس پر ہزاروں کتابیں آ گئی ہیں۔ جناب والا وہاں کتابوں کا مطالعہ کریں۔ بلاشبہ کمپیوٹر ایک بڑی کامیابی، فن اور سہولت ہے مگر ہمارے پاس جو کتابیں اردو میں ہیں یا مقامی زبانوں میں ہیں تو ان میں اوّلاً تو کوئی محفوظ نہیں اگر محفوظ ہیں تو بہت کم ہیں تو مطالعہ وہاں سے کیسے کیا جائے، تو حضرات کتاب کی اہمیت اپنی جگہ ہے اور وہ باقی ہے۔

کمپیوٹر میں جہاں مواد محفوظ رکھنے کی سہولت موجود ہے وہاں مواد چوری ہونے کے خدشات بھی بہت زیادہ ہیں اور فنی طور پر یا نیت کی خرابی سے سارا مواد غائب بھی کیا جا سکتا ہے اور دوسری جگہ منتقل بھی۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایک سازش ہے کہ علم ختم کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی اور احتیاط اسی میں ہے کہ کمپیوٹر میں پھیلے مواد کو کتاب کی شکل دے دینی چاہیے تاکہ وہ دست بردِ زمانہ سے محفوظ ہو جائے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے علمی و تصنیفی کام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اپنے ایک بزرگ خواجہ عبدالوحید جو میرے شفیق تھے، نے

نصیحت فرمائی کہ ''اپنے کام کے لیے ایک دائرہ مقرر کرواور پھر اس سے باہر نہ نکلو اگر تم ایک موضوع پر لکھنا چاہو تو اس کے لیے مطالعہ کرو گے اور اس کے متعلق جملہ مواد اکٹھا کرو گے اگر ایک موضوع پر مطالعہ شروع کرو تو اس کے لیے زندگی کم پڑ جائے گی، ہر موضوع پر ہر زبان میں اتنی کتابیں لکھی گئیں ہیں کہ ان سب کا احاطہ مشکل ہوجائے گا۔'' میں نے اس نصیحت پر عمل کیا اور ایک دائرہ میں رہ کر کام کیا۔

ڈاکٹر صاحب کی تصانیف کا دائرہ برصغیر کے ان علماء کی سوانح تک محدود رہا جنہوں نے برصغیر سے انگریز سامراج کو نکالنے کی جدوجہد کی۔ انگریز سامراج کے خلاف پہلا صور چوں کہ مولانا ابوالکلام ؒ نے پھونکا تھا اس لیے ان کے قلم کا بنیادی موضوع بھی مولانا ہی کی ذات اور ان کے مقالات وخطوط رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۷۰ء میں مولانا کے مقالات مرتب فرمائے تھے پھر اس کے بعد انہوں نے مولانا کے غیر مرتب خطوط جمع کرنا شروع کر دیئے جو تقریباً ایک ہزار کے قریب ہیں جو پانچ پانچ سو چھ چھ سو صفحات کی تین جلدوں میں شائع ہوں گے۔ مقالات تو اسی وقت شائع ہوگئے تھے خطوط کی ترتیب اب مکمل ہو کر اس کی پہلی جلد کی کمپوزنگ اور تصحیح ہوچکی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مفتی کفایت اللہ ؒ پر سوانحی کتب بھی ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی چھوٹی بڑی تصانیف غالباً ایک صد سے زیادہ ہیں۔

حاضرین مجلس، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا ابوبکر صدیق صدر دارالدعوۃ السّلفیہ، مولانا عبدالقادر ندوی، مولانا مجاہدالحسینی، حافظ صلاح الدین یوسف، جناب شبیر میواتی، حافظ الیاس چنیوٹی اور حافظ حماد شاکر نے بعض علمی وتاریخی سوالات کے ذریعے ڈاکٹر صاحب سے استفادہ کیا۔ خصوصاً مولانا محمد اسحاق بھٹی اور مولانا مجاہدالحسینی کی شگفتہ گوئی نے مجلس کو خاصا گرمائے رکھا۔ آخر میں چائے ''وغیرہ'' کے ساتھ مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ مجلس قریب الاختتام تھی کہ محترم بشیر انصاری، ڈاکٹر عبدالغفور راشد ...... ڈائریکٹر مرکزی اردو سائنس بورڈ ...... رانا شفیق خاں پسروری اپنے احباب کے ساتھ تشریف لے آئے جس سے مجلس کی رونق دو چند ہوگئی۔



[بقیہ: تبصرۂ کتب]

شیطانی حربے سے انسانیت خصوصاً مستورات کو جس طرح عریاں کرنے کی کوشش کی جارہی ہے وہ ایک بڑے فتنے سے کم نہیں ہے۔ آج کل بازاروں، مارکیٹوں اور دیگر پارکوں اور بزرگوں کے مزاروں پر اس فتنہ کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ مولانا محمد اقبال کیلانی کی یہ تالیف اس فتنے کے ردّ میں بڑی مدلل، عام فہم تالیف ہے۔ قیمت بھی مناسب ہے۔ موٹا فونٹ اور کمپیوٹر پر طبع ہے۔ کارڈ کور استعمال ہوا ہے۔

آدابِ نماز

تالیف: ڈاکٹر طارق ہمایوں شیخ
نظر ثانی: حافظ عبدالجبار مدنی
ضخامت: ۶۴ صفحات
قیمت: مفت حاصل کریں
ملنے کا پتا: عبدالقیوم ملک، ۱۲۰۱ے ون ویلنشیاء ٹاؤن، لاہور
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

نماز دین کا ستون ہے۔ جس مسلمان کی نماز صحیح طور پر ادا ہو رہی ہے اُسے اپنے ربّ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ وہ صحیح طریقہ اسلام پر ادائیگی نماز کر رہا ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ اللہ کریم سے ہم کلام ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اسلام کے اہم رکن نماز کو انسانی زندگی میں بڑی اہمیت ووقعت حاصل ہے۔ زیر تبصرہ مختصر کتابچہ نماز جیسی اہم عبادت کی کیفیات وحرکات اور طریقۂ ادائیگی کے بارے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کے بعد دعاؤں اور اذکار مسنونہ کو بھی مرتب کیا گیا ہے۔ نماز کے متعلقہ احکام جاننے کے لیے اور کتابچہ درج بالا پتے پر خط لکھ کر مفت حاصل کریں۔

عطرِ حنا

جسم و جاں پر پے بہ پے زخم جفا لگنے لگے
آشنا چہرے مجھے نا آشنا لگنے لگے

اب کے جب سوچوں، گزشتہ چاہتوں کا دَور بھی
سر سے گزرا اک پرانا حادثہ لگنے لگے

ہنستے ہاتھوں پر عیادت میں دکھاوے کے نقوش
دوستوں کی مسکراہٹ بھی جفا لگنے لگے

داغ آلودہ گریباں میں جونہی جھانکا کبھی
ہر برا انسان اپنے سے بھلا لگنے لگے!

شامِ تنہائی میں یہ حسن تصور کا کمال
لمحہ لمحہ ہجر کا راحت فزا لگنے لگے

کام آئے جب کسی مجروح کی امداد میں
اپناں خوں بھی صورتِ عطرِ حنا لگنے لگے

طے ہوا جتنا بھی راسخؔ زندگانی کا سفر
اتنے ہی نزدیک لمحاتِ قضا لگنے لگے

[راسخ عرفانی]